لہ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

الحق

ماہنامہ — اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۵ — شوال ۱۳۸۸ھ

شمارہ نمبر ۴ — جنوری ۱۹۶۹ء

اس شمارے میں

بدل اشتراک

مغربی پاکستان :- سالانہ چھ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے

مشرقی پاکستان :- سالانہ بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے۔ فی پرچہ ۷۰ پیسے

غیر ممالک :- سالانہ ایک پونڈ

سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

ملک کے ہمہ گیر اضطراب نے اب تقسیم ہند سے قبل ہنگاموں جیسا سماں پیدا کر دیا ہے ـــــ لاہور میں جمعیۃ العلماء اسلام کے زعماء کے ساتھ سنگدلانہ اور وحشیانہ سلوک اس عوامی جدوجہد اور اقتدار کے تشدد کی ایک انتہائی مثال ہے۔ جمعیت کے محترم رہنما اور ہم سب کے مخدوم زادہ مولانا عبید اللہ انور مدظلہ کے ساتھ جو ہتک آمیز سلوک ہوا وہ جتنا افسوسناک ہے علماء حق کی سرخروئی مقاصد میں کامیابی اور فریضۂ اعلاء کلمۃ اللہ سے عہدہ برآئی کے لحاظ سے اتنا ہی خوش آئند اور قابلِ صد فخر و مسرت ہے۔ حق کی شمع علماء حق کے خون سے روشن چلی آ رہی ہے۔ روشنی کی جس قندیل کو احیاء سنت کی خاطر امام احمد بن حنبلؒ نے رمضان کے مہینہ میں تازیانے کھا کھا کر اپنے پاکیزہ خون سے فروزاں کیا ہمارے اکابر نے رمضان کے وداعی جمعہ کو شیر اسلام حضرت لاہوریؒ کی مسجد شیرانوالہ گیٹ میں اس سنتِ حنبلی کو تازہ کیا۔ یہی ابوحنیفہؒ کا اسوہ ہے اور یہی مالکؒ بن انس کا طریقہ، ان سب کی ایک ہی بات تھی کہ قرآن و سنت کی کوئی چیز پیش کر دو تو ہم مان لیں ــــ پھر اس سرزمین میں اسلام کا نشان تو ہمارے صاحبِ دعوت و عزیمت اکابرؒ ہی کی مجاہدانہ قربانیوں سے بلند و بالا ہے۔ پھر کب ممکن ہے کہ شاہ ولی اللہؒ اور شہدائے بالاکوٹ کی عظمتوں کے حامل اور محمد قاسم نانوتویؒ شیخ الہند محمود الحسنؒ دیوبند کے صفات و کمالات کی امین اور بطلِ اسلام مجاہدِ اعظم مولانا حسین احمد مدنیؒ کی حمیت دینی کی وارث جماعت اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سرفروشانہ جدوجہد میں کسی سے پیچھے رہے۔ علماء حق کا قافلہ انہی قربانیوں کا زادِ راہ لے کر رواں دواں ہے، اور اس راہ کی صعوبتیں ان کی گرمیٔ رفتار کے لئے تازیانے ہیں ہمارا سر فخر سے اونچا ہے کہ جمعیۃ العلماء نے پچھلے سال لاہور کے جمعیۃ کانفرنس کے ذریعہ جس جمود اور تعطل کو توڑا تھا، اب لاہور کے حالیہ المیہ نے اس ساری فضا کو جمعیۃ کے علمِ محمدی کے زیر نگیں کر دیا ہے، اس محنت و ابتلاء خداوندی میں بہترین کامیابی اور سرخروئی پر ہم مولانا عبید اللہ انور اور جمعیۃ کے تمام زعماء کرام کی خدمت میں ہدیۂ تبریک اور خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

جنوری کے پہلے ہفتہ میں جمعیۃ العلماء اسلام مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں ایک کل جماعتی کانفرنس

منعقد کر رہی ہے، وہاں کے اکابر نے ازراہِ شفقت و حوصلہ افزائی اس کم سواد طالب العلم کو بھی اس میں شرکت کا حکم دیا ہے۔ اس موقع پر جبکہ ملکی حالات نہایت ناگفتہ بہ ہیں، اور نئے نئے اعلانات مختلف نظریات اور طرح طرح کی بولیوں کی وجہ سے قوم کے سامنے مستقبل کیلئے کوئی واضح اور قابلِ اطمینان لائحہ عمل نہیں آسکا۔ ہمیں کانفرنس میں شامل ہونے والے اکابر علماءِ حق سے قوی توقع ہے کہ وہ سر جوڑ کر موجودہ اور آئندہ حالات کے بارہ میں کسی ایسے نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں گے جو ملک و ملت کی سلامتی اسلام کی حفاظت اور نظریۂ پاکستان کے تحفظ اور وحدت و سالمیت ہر لحاظ سے تسلی بخش اور قابلِ اطمینان ہو، ورنہ ملک کی موجودہ حالت تو شامتِ اعمال کی وجہ سے "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" کی مصداق ہے، موجودہ اقتدار اور نظام کو تو جانے دیجئے کہ اسی نے تو ملک کو یہ روز بد دکھایا مگر کیا حزبِ اختلاف کے متضاد دعاوی اور متصادم نظریات اور مختلف عزائم اور افکار کے سایہ میں اس ملک کو عافیت نصیب ہو سکے گی۔؟ اس ورطۂ حیرت سے قوم کو نکالنا ان ہی علماءِ حق کا فریضہ ہے جنہیں علم اور تجربہ کے ساتھ خداوند تعالیٰ نے باطنی فراست اور ربّانی بصیرت سے بھی نوازا ہو ورنہ ہم جیسے عامیوں کی نظروں میں تو اس وقت پورے پاکستان کی حالت اس وادیٔ تیہ جیسی ہے جس میں نعمتِ آزادی کی لگاتار ناشکری اور نوامیسِ خداوندی کی بے قدری کرنے پر خداوند تعالیٰ نے اسرائیلیوں کو حیران و سرگردان پھنسا دیا تھا۔ ۲۲ سال تک پوری قوم حاکم اور رعایا نے جو کچھ کیا اگر اس کے ردِ عمل میں یہ موجودہ حالات رونما نہ ہوتے تو سنت اللہ کے خلاف اور موجبِ حیرت ہوتا۔ ہماری دعا ہے کہ علماءِ حق اور مخلص دردمندانِ ملک و ملت میدان میں آکر مایوسی کو یقین و اطمینان میں بدل دیں۔

صحابۂ کرام ہمارے دین کے سرکاری گواہ ہیں جن کی عدالت اور صفائی خود خداوند کریم اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، قرآن و سنت اور دین و شریعت کے نام سے جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے وہ اسی قدسی صفات جماعت کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے، ان کی بے لوث قربانی اور کوششوں کے نتیجہ میں ہمیں اور ہمارے اسلاف کو کفر و شرک اور ظلم و ضلالت کی ظلمتوں کی جگہ ایمان و یقین اور عدل و انصاف کی روشنی نصیب ہوئی۔ پس یہ کسی بدبختی اور شقاوت کی انتہا ہے کہ آج ہم میں سے ہی بعض ناعاقبت اندیش اور دولتِ ایمان سے کورے ہاتھ انہی بنیادوں پر تیشہ

چلا رہے ہیں اور وہی زبانیں جو اقامتِ دین اور اسلامی نظام کے احیاء کے نعرے لگاتے نہیں تھکتیں اپنی ساری طاقتِ گویائی صحابہؓ کی تعدیل و تقدیس کو مجروح کرنے میں خرچ کر رہی ہیں۔ اور صحابہؓ جیسی بیش قیمت متاعِ دین و ایمان کی بولی اپنے جماعتی اخبارات اور رسالوں میں سرِ بازار لگائی جا رہی ہے۔ اگر علم و تحقیق کے نام پر اسلام دشمنی اور اپنے اوّلین محسنوں کی ناقدری کا یہ شغل جاری رہا تو دردمندانِ اسلام اور علماءِ حق کا اوّلین فریضہ ہوگا کہ وہ متفق ہو کر اس لبادۂ عیاری کو تار تار کر دیں بلاشبہ ایسی گستاخ زبانیں گنگ اور ایسے مکار ہاتھ شل ہو جانے چاہئیں جنکی دست درازیوں سے عثمان مظلوم اور معاویہؓ مرحوم کی قبائے عصمت و تقدیس اور صحابہؓ کی شانِ عدالتؓ و تعدیل بھی محفوظ نہیں رہ سکی۔ مگر جو قلم شہید دار عثمانؓ کے اس خون سے رنگا جا رہا ہے جس نے حضرت عثمانؓ کے بدن سے گرتے وقت قرآن کریم کی آیت فسیکفیکھم اللّٰہ کی فولادی ضمانت میں پناہ لی تھی کیا آج اللہ کی کفایت آج اس خون کے تقدس کی حفاظت و ضمانت سے مجبور رہ بے بس ہو سکتی ہے۔؟ حاشا و کلا، ہرگز نہیں، یہ خون آج بھی تازہ ہے۔ عثمان کی مظلومیت اور شہید دار کی بے کسی تمام صحابہؓ کی عظمتوں کی قسم کھا کر زبانِ حال سے ان نام نہاد اربابِ تحقیق پر خندہ زن ہے اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ فسیکفیکھم اللّٰہ وھو السمیع العلیم۔

عظمتِ صحابہؓ کو مجروح کرنے کی جو وبا ہمارے ہاں "خلافت و ملوکیت" کے نام سے پھیلی اور پھیلائی گئی، افسوس کہ بعض ثقہ اور متدین ادارے بھی اس کی لپیٹ میں آگئے۔ دہلی کے معروف ادارہ ندوۃ المصنفین کے آرگن برہان میں پچھلے ماہ کسی کپتان قطب الدین نے خلافتِ راشدہ کے ضمن میں حضرت معاویہؓ کے بارہ میں نہایت ہرزہ سرائی کی بلکہ اصولی طور پر عدالتِ صحابہؓ پر بھی نہایت سخیف انداز میں طبع آزمائی کی ندوۃ المصنفین ہمارا ایک قابلِ فخر اشاعتی ادارہ ہے، پھر اس کے مدیر شہیر مولانا سعید احمد اکبر آبادی تو خود ایک ثقہ متدین اور محقق صاحبِ قلم اور دیوبند سے وابستہ جید عالم ہیں۔ ایسے پرچہ میں اس قسم کا مضمون آنا نہایت تاسف اور حیرت کی بات تھی، چنانچہ مدیر برہان کو توجہ دلائی گئی جو خود علی گڑھ یونیورسٹی کے اسلامیات کے صدر اور وہاں مقیم ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ توقع کے مطابق مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اپنے جوابی گرامی نامہ میں اس مضمون سے اپنی اور ادارہ کی طرف سے برائت ظاہر فرمائی اور برہان میں بہت جلد اس کی تلافی فرمانے کا بھی وعدہ کیا۔

جن قوتوں نے اس عالم سفلی کو اپنے شر و فساد سے بھر دیا تھا اور پوری انسانیت جس کی ہلاکت آفرینیوں سے نالاں ہے، اب وہ اپنی کمندیں چاند اور ستاروں پر ڈال رہی ہیں۔ امریکی خلائی سیارہ کا تازہ کارنامہ سائنسی اور فنی لحاظ سے کتنا ہی اہم اور قابلِ تحسین کیوں نہ ہو ۔؟ مگر جن لوگوں نے پوری زمین کو اپنی لیڈری اور قیادت کی خاطر جہنم کدہ بنا دیا ہے، ان کی یہ کامیابی حقیقی مسرت کی سزاوار اس وقت تک نہ ہوگی جب تک اس خلائی تسخیر کو انسانیت کی فلاح و بہبود اور امن عالم کا ذریعہ بنا دینے کی ضمانت نہ ہو، بظاہر تو خطرہ ہے کہ یہی کھیل جو علم و حکمت سے زیادہ دولت اور سیاست کے بل بوتے پر کھیلا جا رہا ہے پوری انسانیت کی ہلاکت اور تباہی کا ذریعہ نہ بن جائے، سائنس اور ایٹمی کارناموں ہی کے سہارے یورپی اقوام کی اب تک کی تاریخ غمازی کر رہی ہے کہ غالباً خلائی تسخیر کا یہ حیران کن مرحلہ ارشادِ خداوندی : اقتربت الساعۃ وانشق القمر کا ظہور ہو گا۔

اخبارات میں مسلمانوں کی کل تعداد کے بارہ میں پھر بے سروپا قسم کی خبریں آئی ہیں جن میں مسلمانوں کی تعداد کو دنیا کی کل آبادی تین ارب اکتیس کروڑ نوے لاکھ میں سے صرف پچاس کروڑ چوراسی لاکھ چوہتر ہزار بتلا کر اسے چھٹے نمبر پر دکھایا گیا ہے جب کہ عیسائیوں کی مرکز ویٹیکن سے شائع شدہ ان اعداد و شمار میں عیسائیوں کی تعداد سب سے زیادہ بتلائی گئی۔ یورپی اقوام کے علمی اور تحقیقی کام بھی سیاست اور خود غرضی سے متاثر ہوتے ہیں اور ہمارا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کی یہ تعداد اصل تعداد سے بہت کم دکھائی گئی ہے جس سے مقصود مسلمانوں کو عددی لحاظ سے مرعوب اور احساسِ قوت و برتری سے محروم کرنا ہے تاکہ یورپ کی برتری اور تفوق کا غلط تصور اس کے استعمار و استحصال کی راہ کھولے رکھے۔ کچھ عرصہ قبل ایک مسلمان رہنما امیر شکیب ارسلان مرحوم نے اپنے حد تک تحقیق کر کے اس عیاری کی قلعی کھولی تھی اور ثابت کیا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد تقریباً ایک ارب ہے، پھر شائع ہونے والی خبریں خود بھی متضاد ہوتی ہیں ___ ۶ر دسمبر ۱۹۶۵ء کے اخبار کوہستان میں مسلمانوں کی مجموعی آبادی ۹۵ کروڑ اور ایک ارب کے درمیان بتلائی گئی ہے۔ مسلمانوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ اپنے اعداد و شمار تک کے کام کی توفیق بھی خود انہیں نہیں ہو سکتی اور غیروں کی تحقیقات پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ کیا سعودی عرب کی رابطہ عالم اسلامیہ یا مصر کی مجمع البحوث الاسلامیہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی کچھ رہنمائی کر سکے گی ___؟

واللہ یقول الحق وھو یہدی السبیل۔

سمیع الحق
۱۱ر شوال

انٹرویو

ضبط و ترتیب : سمیع الحق

علامہ قاری محمد طیب صاحب قاسمی

سے

ایک ملاقات

★

حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ کا مقام دعوت و تجدید

★

علمی، سیاسی، معاشرتی، تجدیدی کارنامے

★

پچھلے دنوں جب حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیّب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے سفر پاکستان کے دوران اپنی خاص محبت اور تعلق کی بنا پر دارالعلوم حقانیہ کو بھی اپنی تشریف آوری سے نوازا اور دارالعلوم کی فضائیں حضرت کی آمد کی وجہ سے پُر نور مجالس اور محافل سراپا نور بن گئیں تو اچانک دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ماہنامہ الحق کیلئے مرکزِ اسلام کے مدیرِ شہیر اور حضرت حکیم الاسلام مولانا نانوتویؒ کے علوم و اسرار کے امین سے ایک انٹرویو ریکارڈ کرایا جائے۔ ادھر یہ خواہش ادھر حضرت کی مصروفیات اردگرد پروانوں کا ہجوم اور پھر حضرت کی علالت اور تھکاوٹ سفر کے ساتھ ساتھ تازہ زکام اور نزلہ اس پر مستزاد مگر خدا کی خاصی دستگیری تھی۔ کہ رات گیارہ بجے کے بعد اس مقصد کیلئے کچھ یکسوئی کا وقت نکل ہی آیا۔۔۔

حضرت سے پہلا سوال دارالعلوم دیوبند کے مستقبل کے بارہ میں تھا، بھارت سے مسلمانوں کی ثقافت، پرسنل لاء اور ثقافتی مراکز کے متعلق جو خبریں آتی ہیں وہ اگرچہ مبالغہ آمیز سہی لیکن پریشان کن ضرور ہوتی ہیں۔ پھر مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کا تو خیال آتے ہی دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں ـــــ کہ

—— عشق ست و ہزار بدگمانی —— جس شجرۂ طوبیٰ کیلئے حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شاہ عبد العزیزؒ اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور شہدائے بالاکوٹ نے زمین ہموار کی جسکی داغ بیل حجۃ الاسلام محمد قاسم نانوتویؒ اور فقیہ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے سراپا اخلاص وعمل بزرگوں نے رکھی، پھر جسکی آبیاری میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے اساطین امت نے اپنی زندگی تج دی آج انوار ومعارف قاسمیہ کے امین اور بانی دار العلوم کے حفید رشید مولانا محمد طیب قاسمی سے پہلا سوال اسی دار العلوم دیوبند کے بارے میں تھا، جس کی تعمیر و تشکیل سے خود حضرت قاری صاحب مدظلہ کی پوری زندگی کی داستان وابستہ ہے۔ حضرت نے پورے اعتماد، مضبوط ایمان اور توکل سے بھرپور انداز میں جواب دیا:

"جی ہاں اللہ بہتر کرے بنیاد تو اس کی ایسی ہی ہے کہ مستقبل روشن ہے انشاء اللہ، اور یہ اس لئے کہ بڑی بڑی گھاٹیاں آئیں، اللہ تعالیٰ نے اُسے محفوظ رکھا بڑے بڑے مخالف پیدا ہوئے مگر اللہ کا فضل ہے وہ بڑھتا ہی رہا ——"

اطمینان اور تسلی کے لئے یہی کچھ کافی تھا، مگر یکایک دھیان مولانا محمد یعقوب صاحب صدر اوّل دار العلوم دیوبند کے ایک مکاشفہ یا پیشینگوئی کی طرف گیا جسے کہیں پڑھا یا سُنا تھا، اور پھر جب یہ بھی خیال آیا کہ دار العلوم اپنی زندگی کے سو سال تو پورے کر چکا ہے، تو گویا دل و دماغ پر ایک بجلی سی کوند پڑی اور سائل نے حکیم الاسلام قاری محمد طیب سے اس بارہ میں پوچھا کہ: حضرت! کسی بزرگ غالباً مولانا محمد یعقوب صاحب کا ایک مقولہ سننے میں آیا ہے۔ کہ سو سال تک تو اس دار العلوم کا خدا حافظ ہے، اس کے بعد حق تعالیٰ کی شانِ بے نیازی کا جو فیصلہ ہو —— حضرت نے اسکا جواب دیا اور یکایک فکر و اضطراب کی گھٹائیں اطمینان اور امید کی قندیلوں سے روشن ہوگئیں۔

حضرت نے فرمایا: "نہیں اتنا میں نے سنا ہے کہ یہ مدرسہ چلتا رہے گا، چلتا رہے گا یہاں تک کہ ہندوستان میں انقلاب ہو اور یہ مدرسہ پھر اسلامی حکومت کے ہاتھ میں چلا جائے اس پیشینگوئی سے ہم تو بڑی امیدیں باندھے ہوئے ہیں۔" پھر حضرت نے خود فرمایا یہ ایک عجیب بات ہے اور اب تک تو پوری ہوتی آرہی ہے"

حضرت قاری صاحب وضاحت فرما رہے تھے، اور چشم تصور نے دہلی کے لال قلعہ پر ہلالی پرچم لہراتا دیکھا۔ کانوں نے اس کی سرسراہٹ محسوس کی اور مسلمانوں کی عظمتوں کی امین سرزمین پر شوکت اسلام کے تصور ہی سے دل خوشی سے جھوم اٹھا، مگر کیا خبر کہ یہ سنہرا خواب بھی زندگی

کی اور حسرتوں کی طرح شرمندۂ تعبیر ہوتا ہے یا نہیں —— اس امید و بیم میں راقم الحروف نے اپنی بات دوسرے پیرایہ میں دہرائی ——

حضرت تجدید دین کا زمانہ تو اشخاص و افراد کے لحاظ سے سو سال کا ہوتا ہے، تو یہ تو دین اور علوم دین کا ایک مجدد ادارہ ہے۔ تو اسکی عمر تو ہزاروں سال ہونی چاہئے —— ابھی میں نے اپنی بات پوری نہیں کی کہ حضرت نے ایسا امید افزا اور ایمان پرور جواب دیا کہ دل و دماغ میں فکر و اضطراب کی بجائے خدا کی رحمت اور وعدۂ حفاظت دین کے یقین کی شمع فروزاں ہوئی، حضرت نے فرمایا: "میں نے اپنے بزرگوں مولانا حبیب الرحمان صاحبؒ اور دیگر حضرات سے کئی بار سنا ہے کہ مجدد کیلئے شخص واحد کا ہونا ضروری نہیں بلکہ جماعت بھی ہو سکتی ہے۔ اور ان حضرات نے فرمایا کہ یہ جو حضرت گنگوہیؒ حضرت نانوتویؒ اور ان اکابر کی جماعت ہے یہ سب مجدد ہیں جنہوں نے سنت اور بدعت میں معروف اور منکر میں تمیز پیدا کی، اور اس کے بعد فرمایا کہ ان حضرات کی تجدید کا مظہر اتم یہ دار العلوم ہے۔ اسی کو مجدد کہا جائے۔ اور مولانا حبیب الرحمانؒ نے دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا تھا کہ یہ جو عمل ہے تجدید دین کا اس کی نسبت اور قیام کا مرکز ہے دار العلوم اور ہندوستان میں یہ دار العلوم قطب الرحیٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جیسے چکی کے پاٹوں کے بیچ میں کلی ہوتی ہے تو اس کے ارد گرد چکی کے پاٹ گھومتے ہیں۔ اسی طرح یہاں کے نہ صرف دینی معاملات بلکہ ملکی معاملات بھی اس کے ارد گرد گھوم رہے ہیں، اس کے اندر کچھ قوت اور مقناطیسی طاقت خدا نے رکھی ہے۔" اور تیسری بات جس سے ڈھارس بندھتی ہے وہی مولانا یعقوب صاحب کا مقولہ کہ یہ دار العلوم چلتا رہے گا۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں انقلاب آجائے اور یہ پھر اسلامی حکومت کے ہاتھ میں چلا جائے ——

حضرت اپنی بات ابھی سمیٹ رہے تھے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ مجلس میں تشریف لائے اور حضرت کے پہلو میں بیٹھ گئے حضرت نے ان کی طرف متوجہ ہو کر انٹرویو نگاروں کی ستم کاری کا شکوہ اس ظرافت آمیز انداز میں فرمایا کہ —— ان لوگوں کا منشاء یہ ہے کہ تم رات کو بھی جاگتے ہو دن کو بھی نہیں سونا چاہیئے۔ آج بھی جاگنا چاہیئے اور کل کو آٹھ گھنٹے کا سفر ہے جاگ کر چلے جانا تاکہ مجاہدہ مکمل ہو جائے ——

بزرگوں کی شفقت سے طبیعت میں جو گستاخی اور شوخی آگئی ہے، اس کی بناء پر عرض کیا گیا کہ حضرت پورے سفر میں ہماری "قدرشناس میزبان حکومت" نے آپ کے تقریر و بیان

پر پابندی لگاکر آپ کو بڑی راحت پہنچائی ہے۔ اب ہم کل سے اس کی کسر یہاں دارالعلوم حقانیہ میں نکالنا چاہتے ہیں۔ حضرت نے جن کی طبیعت کو خدا نے شکوہ و شکایت کی بجائے صبر و تمکنت اور تحمل کی نعمت سے بڑی فراوانی سے نوازا ہے۔ ہماری اسلامی حکومت کے اس سراسر نامناسب اقدام پر احتجاج یا افسوس کی بجائے احسان مندی کے لہجے میں فرمانے لگے کہ جی ہاں یہ تو واقعی یہاں کی حکومت کا میرے ساتھ نادانستہ احسان ہے یا پھر میرے ضعف بڑھاپے اور علالت پر خداوند کریم کا غیبی کرم، ورنہ تقریر پر پابندی نہ ہوتی اور ہر جگہ دوستوں کے تقاضا پر مجھے بولنا پڑتا تو شاید میری طبیعت اسکی متحمل نہ ہو سکتی۔ گو میں تو وہاں سے یہ ارادہ کرکے آرہا تھا کہ تقریر و بیان سے حتی الوسع علالت کی وجہ سے پہلو تہی کروں گا۔۔۔۔۔ عالم اسلام کے ایک جلیل القدر عالم دین اور مسلمانوں کے قابلِ فخر بزرگ کی اپنے ملک میں اس "پذیرائی" کا ذکر چھیڑ کر مجھے خود ندامت اور خفت محسوس ہونے لگی۔ مگر حضرت کی زبان سے ایسا تبصرہ سن کر اپنے اکابر کی شرافت نفس اور علو اخلاق کا ایک پہلو تو سامنے آہی گیا۔۔۔۔۔

اس کے بعد گویا اصل انٹرویو شروع ہوا اور ایک پرزہ جس پر عجلت میں چند سوالات لکھے گئے تھے۔ حضرت کی طرف بڑھایا گیا، حضرت نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور پھر گویا ہماری طفلانہ خواہش اور تنگیٔ داماں کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ "ارے بھئی یہ تو بڑے لمبے سوال ہیں اس میں سے کسی ایک سوال کے ایک گوشہ پر گفتگو کیلئے بھی یہ پوری رات ناکافی ہے"۔۔۔۔۔ مگر ایک سدا بہار گلشن سے گذرنے والے کسی سراپا شوق کی نظر تو اپنی تنگ دامنی سے زیادہ انواع و اقسام کی زیبائش اور رعنائی پر ہوتی ہے۔ اس کے دامان نگاہ میں تو پورا چمن سمیٹ لینے کی چیز ہے۔ کہ پھول ہے تو یہی، اور سرسبز و شاداب گوشہ ہے تو بس یہی۔

سب سے پہلا سوال حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارہ میں تھا جن کے سر پر خدا نے ظلمتکدۂ ہند میں حفاظتِ دین کا سہرا باندھا اور جن کی مومنانہ بصیرت، مجاہدانہ جد و جہد، حکیمانہ علوم اور جدید علم کلام کی وجہ سے خداوند کریم نے دورِ غلامی میں اسلام اور اسلامیان ہند کے علوم و تہذیب کو محفوظ رکھا۔ بلاشبہ اس امام کبیر کی نظیر قرونِ اولیٰ ہی میں مل سکتی ہے۔ علم میں عمل میں جہاد اور ریاضت میں تدبّر اور سیاست میں تصوف اور سلوک میں حضرت حجۃ الاسلام یکتائے روزگار تھے۔ ایک نقادِ عالم نے بالکل صحیح کہا کہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی ذات ستودہ صفات انیسویں صدی کے نصف آخر میں بے شبہ آیت من آیات اللہ تھی۔ آپ کے

علمی، اخلاقی اور روحانی کارنامے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قدرت نے رازیؒ کا فلسفہ، شعرانیؒ کا علم الکلام، غزالیؒ کا سوز و گداز، ابن تیمیہؒ کا صولتِ بیان، ولی اللہؒ کی حکمت و دانش، احمد سرہندیؒ کی غیرت و حمیتِ اسلامی اور ٹیپوؒ کی شجاعت۔ یہ سب چیزیں کس فیاضی سے ایک شخص میں جمع کر دی تھیں ـــــ اور بقول حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ ہمارے اکابر تو وہ ہیں کہ اگر ان کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرا دیا جاوے اور بتلایا نہ جاوے تو دیکھنے والے رازیؒ اور غزالیؒ ہی کی سمجھیں گے ـــــ اور آج حضرت قاری صاحب سے اُسی امام دعوت و عزیمت سرخیل ارباب صدق و صفا علمبردار جہاد حریت اور نابغۂ روزگار شخصیت کے مقام دعوت و عزیمت پہ کچھ روشنی ڈالنے کے لئے کہا گیا تھا ـــــ اور حجۃ الاسلامؒ کے پوتے فرما رہے تھے کہ:

"حضرت نانوتویؒ نے زندگی میں جو کام انجام دئے وہ تو بہت زیادہ ہیں لیکن بنیادی طور پر تین بڑے بڑے کام انجام دئے سب سے پہلا کام دارالعلوم دیوبند کا قیام ہے، یہ اتنا عظیم کام ہے کہ پوری دنیا پہ اس نے اثر ڈالا ہے۔ دوسرا کام یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ خلافت اسلامیہ کی تائید میں ہمہ وقت منہمک رہے، سلطان عبدالحمید خان خلیفہ تھے، گو وہ خلافت نام کی رہ گئی تھی مگر حضرت چاہتے تھے کہ وہ نام ہی قائم رہے۔ اس سے تمام ممالک اسلامیہ میں ایک مرکزیت قائم رہے گی اس لئے حضرت نے خود بھی سلطان کی حمایت میں قصیدے لکھے مولانا محمد یعقوب اور مولانا ذوالفقار علیؒ سارے بزرگ رطب اللسان رہے اور جب بھی ترکوں سے کسی کی جنگ ہوئی، یہ حضرات ترکوں کی حمایت میں کھڑے ہوئے، کہیں چندہ جمع کر رہے ہیں، کہیں رائے عامہ پیدا کر رہے ہیں غرض ہمہ وقت مصروف رہتے۔ تو مقصد یہی تھا کہ خلافت کا نام قائم رہے تاکہ تمام ممالک اسلامیہ میں کچھ نہ کچھ ارتباط تو قائم رہے ـــــ اور تیسری چیز یہ انجام دی کہ دیوبند اور نواحِ دیوبند میں نکاح بیوگان کو انتہا درجہ کا عیب سمجھا جاتا تھا، اور یہ چیز ہندوؤں سے آئی تھی، اگر کسی نے نام بھی لیا تو تلواریں نکل آتی تھیں۔ حضرتؒ نے لطیف پیرایہ میں اسکی تحریک شروع کی جب اندرونی طور پہ خواص کو اپنا ہم خیال بنایا تو اس کے بعد جلسۂ عام کیا ہمارے یہاں دیوان کا دروازہ جو ہے وہ نواب لطف اللہ خان مرحوم کا محل ہے، جو اورنگ زیبؒ کے وزیر خارجہ تھے اور دیوبند میں عثمانیوں کے مورثِ اعلیٰ تھے، اس میں حضرت نے وعظ فرمایا، بہت بڑا مجمع تھا درمیان میں ایک شخص اٹھا اور کہا کہ حضرت مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ فراست سے سمجھ گئے کہ کیا کہنا ہے۔؟ جواب میں فرمایا کہ ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں، ایک ضرورت پیش آئی، لوگوں نے سمجھا

کہ استنجا وغیرہ کی ضرورت پیش آئی ہو گی۔ حضرت گھر میں گئے حضرت کی بڑی بہن بیوہ تھی، ۹۵ برس کی عمر میں نہ نکاح کے قابل نہ کچھ مگر اعتراض کرنے والے کو اسکی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو یہ کہتا ہے کہ آپ دنیا کو نصیحت کرتے ہیں مگر آپ کی بہن تو بیٹھی ہے، گھر میں گئے تو بڑی بہن کے پیروں پہ ہاتھ رکھا، انہوں نے گھبرا کر کہا کہ بھئی تم عالم ہو یہ کیا کر رہے ہو۔؟ فرمایا میں بہر حال آپ کا چھوٹا بھائی ہوں آج ایک سنت رسولؐ زندہ ہوتی ہے اگر آپ ہمت کریں تو آپ پر موقوف ہے فرمایا کہ میں ناکارہ اور سنت رسولؐ کی احیاء میری وجہ سے؟ حضرت نے فرمایا کہ آپ نکاح کر لیجئے۔ فرمایا: کہ بھئی تم میری حالت دیکھ رہے ہو منہ میں دانت نہیں کمر جھک گئی، ۹۵ برس میری عمر ہے، کہا یہ سب میں جانتا ہوں مگر اعتراض کرنے والے اس چیز کو نہیں دیکھتے۔ تو فرمایا کہ اگر سنت رسولؐ میری وجہ سے زندہ ہو سکے تو میں جان قربان کرنے کو بھی تیار ہوں ــــــ تو ــــــ ان کے دیور کی بیوی کا انتقال ہوا تھا اور ان کے خاوند کا وہاں پہ جو چودہ پندرہ آدمی تھے خاندان کے انہی کے سامنے نکاح پڑھایا گیا، گواہ بنا دیئے گئے، اس میں کچھ دیر لگ گئی، پھر حضرت نانوتویؒ باہر آئے اور مجمع میں دوبارہ تقریر شروع کی۔ وہی سائل پھر کھڑا ہوا کہ کچھ عرض کرنا ہے۔ فرمایا کہیئے، اس نے کہا آپ دنیا کو نصیحت کر رہے ہیں اور آپ کی بہن بیوہ بیٹھی ہے۔ تو ہم پر کیا اثر ہو گا۔؟ فرمایا کون کہتا ہے۔؟ ان کے نکاح کے تو شاید گواہ بھی یہاں موجود ہوں گے ــــــ دو تین آدمی درمیان میں کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا ہے۔ اصلاح معاشرت اور رسومات مٹانے کے لئے حضرت نے تو اپنے گھر سے قربانی پیش کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی مجلس میں ستر، اسی نکاح پڑھے گئے اور پھر یہ سنت ایسی کھلی کہ ہزاروں بیواؤں کا نکاح ہو گیا ــــــ

تو پہلی چیز تو دارالعلوم کے قیام پر زور دیا اسکی روح فی الحقیقت یہ تھی کہ علوم نبوت اگر عام ہوئے اور ایمان سنبھل گئے تو پھر مسلمان سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اور اگر ایمان ہی نہ رہا تو پھر کچھ نہیں کر سکتے اس لیئے کہ سب شوکت اور حکومت جا چکی تو کم از کم دین تو محفوظ رہ جائے۔ وہ رہ گیا تو آگے سب کچھ رہ جائے گا۔

اس لیئے سفر میں جہاں بھی گئے تو مدارس قائم کرتے چلے گئے۔ مراد آباد میں مدرسہ شاہی، امروہہ میں مدرسہ چلّہ، بریلی میں مدرسہ اشاعت العلوم، انبیٹھہ اور تھانہ بھون میں دینی مدرسے اور گلاؤٹھی میں مدرسہ قاسمیہ قائم کیا اور جتنے متوسل تھے خطوط لکھتے رہے کہ جہاں ہو مدرسہ قائم کرو اور یہ حضرت کی ایک بڑی سیاست تھی اور اس کا ماحصل یہ تھا کہ قوم کو ظلم کے راستے سے تیار رکھنا کہ وہ مضبوطی سے

قائم رہے اور جب دین ہوگا تو آئندہ ممکن ہے کہ ان میں شوکت اور قوت بھی آ جائے ــــــ ادھر معاشرت کو درست کیا۔ معاشرہ کے سب سے بڑی خرابی نکاح بیوگان کی طرف توجہ دی ــــ تیسری چیز یہ تھی کہ خلافتِ اسلامیہ کی طرف لوگوں کو مائل کیا، ہر وقت اس کا دھیان جس سے میں نے یہی سمجھا کہ حضرت چاہتے تھے کہ اسلامی نظام کی کوئی نہ کوئی بود و نمود باقی رہے اگر ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے تو کم سے کم کسی اسلامی حکومت سے تو مربوط رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کی امیدوں کا مرکز بہت دنوں تک افغانستان رہا اور برطانیہ کو یہ شکایت رہتی کہ یہ جماعت شورش کر رہی ہے اور افغانستان سے مل کر برطانوی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتی ہے مگر ان حضرات کو اس کی کیا پرواہ تھی۔؟ افغانستان سے برابر اپنا ایک

حضرت چاہتے تھے کہ اسلامی نظام کی کوئی نہ کوئی بود و نمود قائم رہے اگر ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے تو کم سے کم کسی اسلامی حکومت سے مربوط تو رہے، خلافتِ عثمانیہ کی حمایت کا مقصد بھی یہی تھا کہ عالم اسلام میں کچھ نہ کچھ مرکزیت اور باہمی ربط باقی رہے۔

رابطہ قائم رکھا اور یہی وجہ ہوئی کہ ــــ جب امیر نادر خان کا انتقال ہوا اور ظاہر شاہ تخت سلطنت پر بیٹھ گئے تو دار العلوم کی مجلس شوریٰ نے مجھے نمائندہ بنا کر بھیجا کہ امیر مرحوم کی تعزیت اور امیر موجود کی تہنیت کروں۔ میں افغانستان حاضر ہوا اور میں نے یہ تحریر لکھ کر پیش کی کہ ہمارا مقصد کوئی مالیہ اور چندہ لینا نہیں بلکہ ان روابط کو زندہ کرنا ہے جو ہمارے اکابرؒ کے تھے جس پر صدر اعظم نے مجھے بلایا امیر بڑی عنایت و شفقت سے پیش آئے، جب میں قصر صدارت میں پہنچا تو ہم لوگ بیٹھ گئے اور یہ خیال تھا کہ شاید ملاقات کے کمرہ میں بلایا جائے گا۔ لیکن یکایک دیکھا کہ خود صدر اعظم وہیں آ رہے ہیں۔ ہم سب لوگ کھڑے ہوئے آگے بڑھے تو وہی افغانی طریقہ پر معانقہ دایاں بایاں مونڈھا، پورا پوری محبت کا اظہار انہوں نے کیا اس کے بعد فرمایا بفرمائید آپ آگے چلیں میں نے کہا نے خلافِ ادب است۔ فرمایا: نہیں نہیں آپ کو آگے چلنا ہوگا اور میں اسکی وجہ بتاؤں گا۔ اب ہم اس شان سے چلے کہ میں آگے آگے میرے پیچھے صدر اعظم صاحب ان کے پیچھے سردار نعیم خان اور ان کے پیچھے مولانا محمد میاں صاحب (منصور انصاریؒ) اور ان کے پیچھے غازی صاحب اس ترتیب سے ہم آگے بڑھے تو وہ جو مسی کرسی تھی، اس پر مجھے بٹھلایا اور خود دوسری کرسی کھینچ کر میرے سامنے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اب میں وجہ بیان کرتا ہوں، اور وجہ مختصر یہ ہے کہ حکومت کابل کی یہ خدمت ہمیں آپ بزرگوں کی دعاؤں سے ملی ہے اور یہ اشارہ تھا اس طرف کہ امیر نادر خان صاحب

کے چچا تایا سردار محمد یوسف خان اور سردار محمد آصف خان یہ دونوں بیعت تھے حضرت گنگوہیؒ
اور برطانیہ نے انہیں ڈیرہ دون میں نظر بند رکھا تھا۔ تو یہ حضرات شکار کے حیلے سے گنگوہ آکر حضرت
کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور حضرت کوئی نصیحت فرما دیتے ---- آخری دفعہ جب ملاقات
ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ "جاؤ کابل کی حکومت تمہارے خاندان میں آئے گی اور عدل سے کام کرنا"
انہیں حیرت ہوئی کہ کابل کی حکومت سے ہمارا کیا تعلق ----
امان اللہ کی حکومت تھی یہ لوگ بنی اعمام میں سے تھے، تو انہیں عہدے وزارتیں وغیرہ تو ملتی تھیں مگر حکومت کا کوئی

کابل کی حکومت ہمیں اکابرؒ دیوبند کی دعاؤں سے ملی ---- (صدر اعظم افغانستان)

سوال نہ تھا۔ وہ سمجھے کہ حضرت نے حوصلہ افزائی کے طور پر ایک کلمہ کہہ دیا ہے۔ اس کے بعد یہ
واقعہ پیش آیا، بچہ سقہ کی حکومت آئی، امان اللہ خان معزول ہوئے۔ کیونکہ اسی نے مظالم ڈھائے تو
قوم متوجہ ہوئی کہ امیر نادر خان کو فرانس سے بلایا جائے وہ آئے اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور
پھر شہید ہو گئے۔ تو صدر اعظم کا اشارہ اسی طرف تھا، پھر صدر اعظم نے فرمایا: کہ ہمارے پاس کچھ
تبرکات آپ کے بزرگوں کے محفوظ تھے۔ مولانا نانوتویؒ کی ایک ٹوپی تھی جو میری والدہ کے پاس تھی
اور ہمیں جب کوئی بیماری ہوتی تو والدہ ہمیں وہ ٹوپی اڑاتی تھی اور ہمیں شفا ہو جاتی۔ آج ڈاکٹر رفیق ہے
(جو ترک ہے) کو ہم چھ ہزار روپے ماہانہ دیتے ہیں۔ مگر اس کے نسخوں سے وہ شفا نہیں ہوتی جو ان
تبرکات کی وجہ سے ہوتی اور فرمانے لگے کہ بچہ سقہ کے زمانے میں ہمارا گھر لٹا گیا، لاکھوں روپیہ
کا سامان چوری ہو گیا، لیکن ہمیں صدمہ ہوا تو تبرکات کا جس کا آج تک ہمارے اوپر اثر ہے ---- پھر
صدر اعظم افغانستان نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ میں آپ کو آگے بڑھا رہا ہوں۔

یہ تو افغانستان سے روابط تھے اور سلطان عبدالحمید خان ترکوں سے تعلق کا حال معلوم
ہوا جس سے ان حضرات کے ذہن کا اندازہ ہوتا ہے کہ یوں چاہتے تھے کہ کسی طرح اسلامی حکومت
بازیافت ہو جائے، مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو۔ شیخ الہندؒ کی بھی یہی تحریک تھی وہ چاہتے تھے کہ
عالم اسلام متحد ہو کر ترک اور افغانستان سب مل ملا کر ہندوستان پر حملہ آور ہوں۔ حضرتؒ کی یہ تحریک
تھی اور وہ ہوئے بھی حملہ آور مگر کچھ تو یہ ملک تیار نہ تھا، کچھ مجاہدین ناتربیت یافتہ تھے، نتیجہ شکست
کی صورت میں نکلا اور یہ خواہش انہیں ورثہ میں اپنے استاذ حضرت نانوتویؒ سے ملی تھی۔ ۱۸۵۷ء
میں تو گویا حضرت جوش جہاد میں غرق تھے اور بس یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح جان دے دوں شاملی میں

تلواروں سے مقابلہ بھی کیا۔ الغرض حضرت کی زندگی کے کارناموں میں ایک علمی کارنامہ تو دارالعلوم ہے، جس کا فیض اطراف عالم میں پہنچا، دوسرا معاشرتی کارنامہ ہے، اور تیسرا سیاسی اور اجتماعی کارنامہ کہ تہذیب و تعلیم ہی کے سلسلہ میں سہی مگر ممالک اسلامیہ میں کوئی نہ کوئی ربط قائم رہے، اس سلسلہ میں حضرتؒ نے دارالعلوم دیوبند میں محکمہ قضاء قائم کیا اور مولانا یعقوب کو قاضی بنایا تو ہزاروں مقدمات جو برسہا برس سے الجھے ہوئے تھے منٹوں میں طے ہوئے۔ لوگوں کا وقت اور مالیہ بچا، یہ سلسلہ جاری رہا، مگر انگریز نے آخر میں آکر توڑ دیا۔ دیوبند میں ایک تھانیدار کو بھیجا جو بڑا سخت قسم کا آدمی تھا چنانچہ وہ آیا رمضان شریف کا آخری عشرہ تھا۔ اس نے آکر حضرت نانوتویؒ سے مصافحہ کیا۔ اور بہت جرأت کے ساتھ کہا کہ کیا آپ ہندوستان میں شرع محمدی کا جھنڈا گاڑنا چاہتے ہیں۔۔۔؟ یہ کیا آپ نے محکمۂ قضاء قائم کیا۔؟ حضرت نے بڑی نرمی سے کہا کہ یہ تو ہم لوگ گورنمنٹ کی مدد کر رہے ہیں، جو لاکھوں روپے خرچ کرکے مقدمات فیصل کرتی ہے۔ ہم نے منٹوں میں فیصل کر دیا، مگر اس نے کہا کہ نہیں آپ پورا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، میں رپورٹ کروں گا۔ اس پر حضرت کو غصہ آیا اور کہا کہ

حضرت چاہتے تھے کہ کسی طرح اسلامی حکومت بازیافت ہو جائے مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو۔ شیخ الہند کی بھی یہی تحریک تھی کہ عالم اسلام متحد ہو۔ تحریک اور زنعان عن ملکر بلاد ہندوستان تھیں ۱۸۵۷ء میں تو مولانا نانوتویؒ جیش جہاد میں غرق اور جان و تن سے [illegible] عتاب رہے۔

کان پکڑ کر اسے نکال دو، طالب العلموں نے دھکے دیکر اسے نکالا اور حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ جا ہم تیری رپورٹ کریں گے۔ نکال دو اس شیطان کو یہاں سے۔ بہرحال عید کا دن آیا، تھانیدار کے ہاں دودھ کے ماٹے بھرے تھے، کپڑے تیار، خوشیاں منائی جا رہی تھیں کہ اچانک گورنمنٹ کا حکم پہنچا کہ اسکی رشوتوں کی انتہا ہو گئی ہے۔ اس کو فوری برخاست کیا جائے۔ اور بازار میں دکان دکان پہ جہاں سے اس نے رشوت لی پیروں میں رسی ڈال کر اسے پھرایا جائے۔ تو اس حالت میں اسے گھمایا گیا کہ یہ روتے ہوئے کہتا جا رہا تھا کہ افسوس میں نے تو رپورٹ نہیں کی مگر مولوی جی نے میری رپورٹ کر دی تو اس کا خمیازہ جلد اس نے بھگت لیا۔ اس کی جگہ دوسرا آیا ـــــ اس کے بعد ان بزرگوں کی وفات ہو گئی اور وہ محکمہ نہیں چلا۔

ـــــ تو حضرت کا چوتھا منصوبہ یہ تھا کہ اسلامی پرسنل لاء اور مخصوص قانون شریعت کے

مطابق طے ہو۔ اسی کے تحت دارالعلوم دیوبند کے اکابرؒ نے جب لندن سے مسٹر مانڈسن وزیر ہند آیا اور جارج کا زمانہ تھا، تو میرے والد صاحب (مولانا حافظ محمد احمدؒ) علماء کا ایک وفد لے کر ان سے ملنے کے لئے گئے اور درخواست یہ کی کہ ہندوستان میں محکمۂ قضا قائم کر دیا جائے جس میں شریعت اسلام سے مخصوص چیزیں نکاح، طلاق، عدت، میراث اوقاف وغیرہ طے ہوں۔ خیر اس نے ظاہر میں تو کہا کہ اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اور پارلیمنٹ میں بھی لیکن یہ ایک وقتی بات تھی نہ اس نے یہ پیش کیا نہ ایسا ہوا۔

مگر ان بزرگوں کا جذبہ برابر یہی تھا کہ اسلامی اقتدار مسائل کے درجہ میں بھی قائم ہو جائے۔ تحفظ خلافت اور روابط اسلامیہ کے سلسلہ میں حضرت نانوتویؒ نے ایک کام یہ کیا کہ لوگوں کو بہت زیادہ حج کے لئے مائل کرتے تھے اور فرمایا کہ ــــ اول تو عبادت ہے اور عبادت بھی اجتماعی، وہاں جا کر مکہ والوں سے بھی سابقہ پڑے گا۔ وہاں اسلامی حکومت دیکھیں گے تو ان کے قلوب پر اثر پڑے گا تو شوکت اسلامی کے جذبات لیکر آئیں گے تو علم و معاشرت سیاست اور خلافت یہ چند چیزیں ایسی ہیں جو حضرت کی تمام خدمات کی محور ہیں ــــ

ــــ رات آدھی گذر چکی تھی مگر سارا مجلس ذکر قاسمیؒ میں ایسے محو کہ گویا ایک حسین خواب دیکھ رہے ہوں اور زمانہ پیچھے کی طرف پلٹ گیا ہو کہ یکایک حضرت قاری صاحب نے بساط لپیٹنی چاہی، سننے والے چونک پڑے اور حضرت کے ضعف و نقاہت کے باوجود ان کی توجہ حضرت نانوتویؒ کی ایک مخصوص شان علمی کمالات کی طرف مبذول کرنا چاہی کہ ابھی ذکر محبوب کچھ دیر اور چلتا رہے کہ اصحاب غرض کو تو اپنی مطلب برآری سے ہی کام ہوتا ہے ورنہ عقل اور ادب دونوں حضرت کو مزید تکلیف دینے سے روک رہے تھے، مگر دل بضد تھا کہ ــ

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

حضرت نانوتویؒ کی علمی شان تجدید کا ذکر آیا تو حضرت قاری صاحبؒ گویا یکدم تازہ دم ہوئے اور فرط نشاط میں محو ہو کر فرمانے لگے کہ علوم و معارف میں بھی حضرت کا بالکل مجددانہ انداز ہے۔ حضرت کی جو تصانیف ہیں مولانا شبیر احمد عثمانی کی نگاہ بہت تھی تصانیف پر، اور یہ جملہ فرمایا کرتے تھے کہ سو برس تک فلسفہ کتنے روپ بدل کر آئے، لیکن حضرت کی حکمت اسکی قلعی کھولنے کے لئے کافی ہوگی، سو برس تک کوئی اسلام کا مقابلہ اور اسلام پر حملہ حجت سے نہیں کر سکتا

اتنی حجتیں جمع فرمادیں، تو گویا ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈال دی جس سے اسلامی حقائق اور دقائق پورے واضح ہوتے ہیں ـــــ اور مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنی نظر کے لحاظ سے کہتا ہوں کہ سلف میں بھی بہت کم لوگ ملیں گے جنہوں نے اس قسم کی حکمت جمع کی ہو۔ یہ حضرت ہی کا حصہ ہے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت کی ہر چیز بیچ کی نہ تھی بلکہ آخری کنارے پر لگی ہوتی ـــــ

علم کے بارہ میں ایک بات مجھے اور یاد آئی کہ مولانا یعقوب صاحب کشف و کرامت بزرگوں میں سے تھے، اور ان کے ہاں اخفاء تھا نہیں، جو واردات ہوتی صبح طالب العلموں کے سامنے پیش کر دیتے کہ یہ رات کو کشف ہوا، یہ الہام ہوا، یہ عادت تھی۔ تو ایک دن فرمایا کہ بھئی آج صبح کی نماز پڑھنے کھڑا ہوا تو بال بال بچ گیا، میرے مرنے میں کسر نہیں تھی، طلبہ نے عرض کیا کہ کیا پیش آئی کہ قرآن کریم کے علم کا ایک اتنا بڑا دریا میرے قلب کے اوپر گذرا، اور غنیمت یہ ہے کہ وہ گذرتے ہی نکل گیا، ورنہ میں تحمل نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے بعد خود فرمایا کہ میں مراقب ہوا کہ یہ کیا چیز تھی تو منکشف یہ ہوا کہ میرے بھائی حضرت نانوتوی میرٹھ میں میری طرف متوجہ ہوئے، ان کی توجہ کا یہ اثر کہ علم کا ایک عظیم دریا میرے قلب پر گذرا اور اس کے بعد خود فرمایا کہ جس شخص کی توجہ کا اتنا اثر ہے کہ اتنا بڑا علم گذر جائے کہ برداشت نہ کر سکے تو وہ شخص خود اتنا بڑا علم کس طرح اٹھائے پھر رہا ہے اس میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ مولانا یعقوب اور تمام اساتذہ دارالعلوم نے جن میں اساتذہ بھی ائمہ فنون تھے ـــــ مولانا سعید احمد صاحب امام معقولات سمجھے جاتے تھے ـــــ ان سب نے مل کر حضرت نانوتویؒ سے درخواست کی کہ تفسیر کی کوئی کتاب پڑھا دیں۔ تاکہ قرآنی علوم ہم بھی سیکھیں۔ حالانکہ یہ سب ائمہ علوم تھے مولانا یعقوب تو صدر مدرس تھے، تو حضرت نے منظور فرمایا چھتہ کی مسجد میں حضرت نے درس شروع کر دیا الٓمٓ سے شروع فرمایا تو حروف مقطعات پر کوئی دو ڈھائی گھنٹہ تقریر فرمائی اور عجیب و غریب علوم و معارف ارشاد فرمائے اور یہ عجیب بے نفسی کا دور تھا کہ یہ سارے اساتذہ سبق پڑھ کر باہم کہنے لگے کہ بغیر تکرار کے یہ علوم محفوظ نہیں ہوں گے۔ لہذا تکرار کیا جاوے۔ نو درہ میں بیٹھ کر تکرار شروع ہو گیا، مولانا یعقوب نے تقریر شروع کی بیچ میں ایک جگہ رک کے بات یاد نہیں رہی کسی اور کو بھی یاد نہ آئی، تو کہا میں مولانا سے پوچھ کر یہ تقریر کروں گا ـــــ تو صبح کی نماز پڑھ کر حضرت جب اپنے حجرہ میں آرہے تھے تو مولانا یعقوب نے عرض کیا کہ حضرت تقریر کا

فلاں حصہ یاد نہیں رہا تو کھڑے کھڑے حضرت نے تقریر شروع کی، مولانا فرماتے ہیں کہ نہ لفظ اس عالم کے تھے نہ معنی اس عالم کے ایک حرف بھی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا فرما رہے ہیں، تو عرض کیا کہ حضرت ذرا نازل ہو کر فرمائیے کہ کچھ سمجھ جاؤں، اب دوبارہ تقریر شروع کی تو الفاظ سب سمجھ میں آئے مگر معانی نہیں، تو پھر عرض کیا کہ حضرت کچھ اور نازل فرمائیے ہم وہاں تک نہیں پہنچے تو فرمایا کہ مولانا دوسرے وقت آئیے گا۔ تو اس وقت کہوں گا، تو علوم میں اس وقت کتنا عروج ہوگا کہ ادھر کہہ رہے ہیں اور ادھر سمجھ میں نہیں آرہا، تو علم کا یہ حال تھا اور عمل تو ظاہر ہے ــــ راقم نے عرض کیا کہ حضرت ایسے علوم و معارف کی تسہیل اگر ہو جائے تو اس میں بہت سے فتنوں کا علاج ہے، فرمایا: "ہاں ہم نے مجلس معارف القرآن سے اسے شروع کیا اور ایک آدھ رسالہ چھاپا بھی تسہیل بھی کی لیکن یہ سلسلہ چلا نہیں اس لئے کہ علماء کی توجہ نہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ مغلق مضامین ہیں۔ میں نے کہا کہ بھئی حمداللہ اور ملا حسن اور قاضی سمجھ لو تو ان علوم میں کیا دقت ہے۔ تو ارادہ نہیں سمجھنے کا ــــ عرض کیا گیا کہ کاش! مولانا مناظر احسن گیلانی نے سوانح قاسمی میں علوم قاسمی کا جو منصوبہ پیش کیا، اس کے مطابق کام کرنے کی کوئی صورت نکل آئے، حضرت قاری صاحب فرمانے لگے کہ وہ منصوبہ میں نے ہی مولانا گیلانی مرحوم کے سامنے رکھا تھا کہ آپ نے تین جلدوں میں سوانح لکھی مگر اصل سوانح تو حضرت کے علوم ہیں۔ آپ اس پر تبصرہ کریں مگر افسوس کہ اس کام سے پہلے مولانا گیلانیؒ کی وفات ہوگئی، پانچ ہی صفحات مقدمہ کی شکل میں لکھ پائے تھے ــــ الغرض بڑے عجیب وغریب علوم وحقائق ہیں ــــ۔ (جاری ہے) ★

حفاظتِ قرآن

تقریر :- شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ
تحریر :- محمد عثمان غنی بی ۔ اے ، واہ کینٹ ۔

مورخہ ۲۵ رشعبان المعظم ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۷ر نومبر ۱۹۶۸ء واہ کینٹ میں درسِ قرآن وحدیث کی چوتھی سالانہ تقریب منعقد ہوئی ۔ یہ درس ہر ماہ کے آخری اتوار حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہٗ خلیفۂ مجاز حضرت لاہوری ؒ ارشاد فرماتے ہیں ۔ مہمانانِ خصوصی میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کے علاوہ جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہٗ ، حضرت مولانا بشیر احمد صاحب پسروری مدظلہٗ ۔ اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب ایڈیٹر ماہنامہ الحق کے اسماگرامی قابلِ ذکر ہیں ۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے اس اجتماع میں جو تقریر ارشاد فرمائی اس کا قلمی عکس عنوانِ بالا کے تحت پیش خدمت ہے

—— محمد عثمان غنی ——

★

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (پ ۱۴ س الحجر آیت ۹)

محترم بزرگو ! اللہ تبارک وتعالیٰ کا ازحد احسان ہے مجھ ناچیز پر کہ ایسے مبارک درس میں شمولیت کا موقع اللہ جلّ مجدہٗ نے عطا فرمایا ۔

مجھ سے پہلے درسِ قرآن اور درسِ حدیث آپ سن چکے ہیں ۔ وقت بھی کافی بحمد اللہ گذر چکا ہے اور اس کے بعد ہم سب کے مخدوم ، جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم تشریف لائیں گے اور دعا فرمائیں گے ۔

بزرگو ! بھائیو ! آپ حضرات کے سامنے دو نعمتیں پیش ہوئیں ۔ ایک قرآن مجید کا درس اور دوسرے احادیث کا درس ۔ خداوند کریم کی نعمتیں ظاہر بات ہے کہ جو کچھ بھی ہم دیکھ رہے ہیں

یہ سب اللہ جل مجدہٗ کی جانب سے ہے۔ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ۔ (س النحل آیت ۵۳) اللہ جل مجدہٗ فرماتے ہیں تم پر جتنی نعمتیں ہیں، اپنا وجود آپ لیں، وہ قویٰ جو اللہ جل مجدہٗ نے ہمیں دئے ہیں، وہ شکل وصورت جو ہمیں اللہ نے عطا فرمائی، وہ جو بیرونی نعمتیں ہیں، یہ چاند، یہ سورج، یہ ہوا، یہ قسم قسم کی غذائیں جو ہمیں مل رہی ہیں، یہ سب کی سب اللہ کی جانب سے ہیں۔
کفار بھی یہی کہتے رہے: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (س لقمٰن آیت ۲۵) اور آج بھی چیلنج ہے۔ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ آسمان یا یہ زمین یا یہ سورج یا یہ دریا کسی اور کی مخلوق ہیں۔

محترم بزرگو! انسان کے اوپر جو نعمتیں ہیں خصوصاً، یہ تو اتنی کثیر ہیں جن کا شمار بھی نہیں ہو سکتا۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ (س النحل آیت ۱۸) اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم اُن پر احاطہ نہیں کر سکتے۔ ان تمام نعمتوں میں سے بڑی نعمت اسلام کی نعمت ہے، قرآن کی نعمت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی۔
محترم بزرگو! قرآن مجید، اس کی تلاوت، اس کی افہام اور تفہیم کا موقع جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرما دے، یہ اس قدر بیش بہا نعمت ہے کہ اسکی کوئی حد اور کوئی انتہا نہیں۔
حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ نعمتِ تلاوتِ قرآن اور درس و تدریس، افہام وتفہیم قرآن اللہ جل مجدہٗ نے امتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو عطا فرمائی، انسان کو عطا فرمائی۔ اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (س الرحمٰن آیت ۱-۴)
حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ نعمت، یہ عطیہ فرشتوں کو نہیں ملا۔ اس لئے حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان جب جماعت کیلئے، نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو فرشتے آکر اقتداء کر لیتے ہیں، نماز میں آکر شریک ہو جاتے ہیں۔ اور جس وقت امام سورۂ فاتحہ کو پڑھ لیتا ہے، تو اس کے بعد وہ ملائکہ بھی آمین پڑھتے ہیں —— ایک حدیث میں آتا ہے: وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ ـــ (رَوَاهُ مُسْلِم)۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی قوم کسی مکان میں، خدا کے گھر میں یا کسی جگہ پر جمع ہوتی ہے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کرے، درس سُنے، درس دے۔ (جیسا کہ آپ حضرات یہاں جمع ہیں۔) تو اُن کے اُوپر خدا کی جانب سے رحمت برستی ہے، اُن

کو خدا کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے آکر یہاں سے آسمان تک یکے بعد دیگرے جمع ہو جاتے ہیں: حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط۔ تو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں، یہ اتنی بڑی نعمت ہے، یہ عطیہ ہے، جس سے اس اُمت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نوازا ہے۔

میرے محترم بزرگو! قرآن مجید، جس کو وحیِ متلو کہا جاتا ہے، اس کا بھیجنے والا، نازل فرمانے والا، اللہ جلّ مجدہٗ ہے، جو پاک ہے، يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (س التغابن آیتؑ) جسکی شان یہ ہے کہ جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب کی سب اس کی تسبیح اور پاکی بیان کر رہی ہیں، جو بادشاہ ہے جو حاکم ہے، جو مالک ہے، جو قادر ہے، جو حکیم ہے ـــ

قرآن مجید کو نازل فرمانے والا بھی اللہ ہے ـ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، جسطرح اللہ کے کا مثل کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، اللہ کے کلام کا بھی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (س بنی اسرائیل آیت ۸۸) اگر تمام دنیا، تمام مخلوق بھی جمع ہو جائے، جن وانس سب کے سب جمع ہو جائیں۔ اگر اس قرآن کے مثل کوئی دوسری چیز یہ پیش کریں۔ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝

قرآن مجید کی شان یہ ہے کہ، لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (س حم السجدہ آیت ۴۲)۔ بھائی! عقل ٹھوکر کھا سکتی ہے، انسان کی رائے غلطی کر سکتی ہے، قوم ایک چیز پر اگر جمع ہو جائے، ممکن ہے وہ غلطی کریں، سائنسدان غلطی کر سکتا ہے، طبیب غلطی کر سکتا ہے، فلسفی غلطی کر سکتا ہے، عالم غلطی کر سکتا ہے، لیکن اللہ جلّ مجدہٗ نے جس وحی کو نازل فرمایا اس کے متعلق اعلان ہے: لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ۔ کبھی اس میں آمیزش باطل کی نہیں ہو سکتی۔ الحمد للہ یہ نہیں فرمایا کہ گذشتہ زمانے میں باطل نہیں آسکتا تھا، اب آئے گا۔ نہیں ــ قیامت تک نہیں آسکتا۔ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ۔ نہ آگے سے نہ پیچھے سے، اس میں کوئی آمیزش باطل کی کر ہی نہیں سکتا۔ ورنہ بھائیو! چودہ سو برس قرآن مجید کے نزول کا زمانہ گذرا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ باطل نے سر توڑ کوشش کی اس قرآن کے مٹانے کے لئے، اس کے الفاظ کے مٹانے کی کوشش کی، اس کے معانی میں تحریف کی کوشش کی، اور اللہ نے اس قرآن کی حفاظت کیسے کی؟ کہ اس کا لب ولہجہ بھی خدا نے محفوظ کر لیا۔ ہمارے سامنے قاری غلام فرید صاحب نے دو دفعہ تلاوت کی جو آپ نے سن لی۔ اللہ نے ایک جماعت

قاریوں کی پیدا کی کہ وہ اس کے لب و لہجے کی حفاظت کریں، ایک جماعت حافظوں کی پیدا کی، اللہ جلّ مجدہٗ دین کی حفاظت کے لئے عجیب عجیب انتظام فرما دیتے ہیں۔ دیکھئے! جو لولا ہو، لنگڑا ہو، نابینا ہو، ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کسی کام کا نہیں ہے، لیکن اللہ نے اس کو قرآن کا حافظ بنا دیا۔ ایک وقت تھا چودہ لاکھ حافظ مسلمانوں میں موجود تھے ۔۔۔ اب بھی انشاء اللہ اگر یہاں پر گنیں گے تو آپ کو بیس تیس حافظ اس چھوٹی سی جماعت میں مل جائیں گے۔ اللہ نے قرآن مجید کے لب و لہجہ کی حفاظت کی۔ قراء کی ایک جماعت تیار فرمائی۔ اسی طرح اللہ نے قرآن کے رسم الخط کی بھی حفاظت کی۔ یہاں تک کہ جس طریقے پر قرآن مجید لکھا گیا ہے، اس کی حفاظت بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمائی۔ مثلاً آج تک موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا نام جو آتا ہے تو آپ حضرات تو پڑھتے ہوں گے موسیٰ، عیسیٰ۔ یعنی الف کے ساتھ "موسا، عیسا" نہیں لکھتے بلکہ یٰ کے ساتھ لکھتے ہیں موسیٰ، عیسیٰ۔ اب اگر رسم الخط کے مطابق ہم اردو کے لہجے میں تلفظ کرتے تو موسی عیسی پڑھتے لیکن ایسا نہیں پڑھتے، بلکہ موسیٰ، عیسیٰ پڑھتے ہیں ۔۔۔ بسم اللہ الرحمٰن ۔۔۔ اب الرحمٰن لکھا جاتا ہے، تو میم کے بعد الف نہیں لکھا جاتا، بلکہ مَ کے اوپر ایک اشارہ سا ہے مد کی طرف تو الرحمٰن پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس رسم الخط کو بھی آج تک محفوظ رکھا ہے۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا لطیفہ ہے، ایک دفعہ گاڑی میں فسٹ کلاس میں جا رہے تھے، ایک انگریزی تعلیم یافتہ بھی سفر کر رہا تھا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں میں قرآن مجید تھا۔ تو اس تعلیم یافتہ نے عرض کی کہ حضرت! مجھے بتلائیں، کیا چیز ہے یہ؟ فرمایا آپ اسے کیا کرتے ہیں۔ اس نے کہا، جی میں دیکھتا ہوں ذرا۔ خیر حضرت تھانویؒ نے دے دیا۔ تو جیسے حضرت مولانا زاہد الحسینی صاحب نے ہمارے سامنے الٓرٰا شروع کر دیا۔ اب وہ دیکھتا ہے اُس کو، حضرت تھانویؒ نے اس سے پوچھا کہ بھائی! تم نے اس میں سے کیا پڑھا: اُس نے کہا، حضرت! یہ تو ہے آلُ رَا ۔۔۔ نہیں بلکہ آلُو ۔۔۔ آ ۔۔۔ لُو ۔۔۔ اب وہ "آلو" ہو گیا ۔۔۔ ایم۔ اے پاس ہے ۔۔۔ الٓرٰا جس طریقے پر لکھا ہے، الف لام را ۔۔۔ تو نہ یہ آلُ رَا پڑھ سکتے ہیں، نہ آلو، اور اَلُرَا پڑھ سکتے ہیں، بلکہ الف لام را۔

الغرض رسم الخط لب و لہجے اور الفاظ کی حفاظت کی طرح اُن کے معانی کیلئے اللہ جلّ مجدہٗ نے حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی اور جناب عثمان غنی صاحب جیسے حضرات کو پیدا کیا ۔۔۔ یہ اللہ کی امداد اور وعدہ کا ظہور ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ اس کے معانی

کی حفاظت اللہ نے فرمائی علماء کے ذریعے سے، اور پھر ان علماء کو اللہ نے یہ جذبہ دیا کہ تم جاؤ، پھرو اور لوگوں کو قرآن مجید کے معانی سمجھاؤ۔

بڑے خوش قسمت ہیں اس مدرسہ کے کارکن حضرات، حضرت مفتی بشیر احمد صاحب دامت برکاتہم نے آپ کے سامنے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو نقل کیا: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ (پ البقرہ آیت ۱۲۹) ایک جگہ ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ؕ (پ الجمعہ آیت ۲) بھائی! پیغمبر کا کام کیا ہے -؟ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ، خدا کی آیتوں کو تلاوت کرنا ـــــ ایک کام تو یہ ہے کہ قرآن مجید کا صحیح تلفظ بتلادے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ، اللہ وہ ذات ہے جس نے ان پڑھوں میں بھیجا ایک عظیم الشان رسول ـــــ یہاں بھی ایک عجیب نکتہ ہے۔ دیکھئے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پڑھوں میں رسول بھیجا، جہاں نہ کالج تھا، نہ سکول تھا، مکہ معظمہ کیا، تمام جزیرۂ عرب میں کوئی لکھنے والا، پڑھنے والا نہیں تھا، کوئی تعلیم یافتہ نہیں تھا۔ یہ ایک الگ چیز ہے کہ اس قرآن مجید کے نازل ہونے سے پہلے وہ قوم ان پڑھ تھی، لیکن اس قرآن مجید کی برکت سے، اس کے پڑھنے اور اس کے نزول کی برکت سے وہاں پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ، جیسے بلند مرتبہ حضرات پیدا ہوئے۔ انہوں نے کس طریقے سے انصاف کیا اور عادلانہ طریقے پر حکومتیں کیں، آج بھی سیرت العمرین یعنی حضرت عمر اور عمر ابن عبدالعزیز کی سیرت کو یورپ کے بعض کالجوں میں پڑھایا جاتا ہے کہ جو حاکم بنے تو اس کو ذرا پڑھ لے۔ وہ قوم جو کہ ان پڑھ تھی، جن میں کبھی کوئی فیلسوف، کوئی ماہر نہیں گذرا، لیکن اس قرآن کی برکت سے ان امیین میں خالد بن ولید جیسے کمانڈر انچیف، ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے امین اور حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ جیسے فقیہہ پیدا ہوتے ہیں، اور خلفاء راشدین کی تو نظیر کسی امت میں نہیں ہے۔

فرض کیجئے اگر یہاں واہ کینٹ میں جہاں کہ بحمد اللہ سکول بھی ہیں کالج بھی ہیں۔ تربیت بھی ہے، اگر اس میں کوئی تربیت یافتہ آدمی نکل آئے تو وہ بھی خدا کا احسان ہے۔ لیکن کوئی عجیب بات نہیں۔ اس لئے کہ بحمد اللہ سب تعلیم یافتہ ہیں۔ اب سب تعلیم یافتوں میں اگر ایک شخص کسی مہارت کا مالک ہو جائے، تعلیم کے لحاظ سے تو وہ اتنے تعجب کی چیز نہیں۔ لیکن جہاں کی تقریباً چار لاکھ عرب آبادی اُمّی ہو، وادیٔ غیر ذی زرع ہو، وہاں پر اللہ جل مجدہٗ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور اس قرآن کی برکت سے وہاں علماء پیدا ہوئے، وہاں افواج کے کمانڈر پیدا ہوئے، وہاں سلاطین کے

استاد پیدا ہوئے، سیاستدان پیدا ہوئے، فقہاء پیدا ہوئے، قُرّاء پیدا ہوتے اور تزکیۂ باطن کی تو کچھ مثالیں آپ نے سُن لیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنخواہ آٹھ آنے یومیہ تھی۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ امیر المومنین کی یومیہ تنخواہ بہت کم ہے، ایک ادنیٰ چپڑاسی کی جو تنخواہ تھی وہ امیر المومنین لیا کرتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ کسریٰ کا تاج جو کروڑوں روپے کا تھا، مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں ازراہ مذاق ایک غریب شخص کے سر پہ رکھا۔ اور لوگ ٹھوکریں گیند کیطرح لگاتے تھے۔ دنیا کے بیوقوف کہ دس کروڑ روپیہ تاج پر اس نے خرچ کیا۔ مال کی کمی نہ تھی، لیکن خلیفۂ وقت کو آٹھ آنے یومیہ ملتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں صحابہ جرأت نہیں کر سکتے کہ عرض کریں کہ کچھ نہ کچھ یومیہ یعنی تنخواہ زیادہ لے لیں۔ تو حضرت حفصہؓ کی خدمت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابو عبیدہ ابن جراح اور دوسرے اکابر صحابہؓ پہنچے چونکہ یہ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں، اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور اُمّ المومنین تھیں، اس لئے حضرت عمر ان کا احترام کرتے تھے۔ وفد گیا حضرت حفصہؓ کے پاس کہ ہماری درخواست ہے، آپ اپنے والدِ محترم کی خدمت میں عرض کریں، کہ آٹھ آنے یومیہ سے کیا ہوتا ہے؟ کچھ نہ کچھ تنخواہ زیادہ آپ لیں۔ صحابہؓ کے تزکیہ کو دیکھئے کہ مال کو کسطرح سے انہوں نے لات ماری ـــــ فوراً چہرہ سُرخ ہوتا ہے، فرماتے ہیں: یہ بتاؤ کس نے کہا تم کو ـ؟ انہوں نے کہا حضرت! میں نے اُن سے وعدہ کر لیا ہے کہ نام نہیں بتاؤں گی، فرمایا کہ اگر مجھ کو اُن کے نام معلوم ہو جاتے تو میں اُن کو سیدھا کر دیتا ـــــ اور پھر اس کے بعد حضرت عمر پوچھتے ہیں حضرت حفصہؓ سے کہ یہ بتایئے کہ آپ کے ہاں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرش کیسا تھا۔؟ حضرت حفصہ نے کہا میرے ہاں ایک ٹاٹ بچھا ہوا رہتا تھا، سردی کے زمانے میں اس ٹاٹ کو آدھا نیچے کر لیا کرتے تھے، اور آدھا اوپر پہن لیا کرتے تھے ـــــ یہ ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فراش ـــــ قربان جایئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہا حضرت علیؓ کی بیوی ہیں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جگر گوشہ، خاتونِ جنّت، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال جب ہونے لگا تو فرمایا کہ اے بیٹی! تو مُت روتا خاندان میں سے سب سے پہلے تیری ملاقات مجھ سے ہو گی۔ اور جنّت کی جتنی عورتیں ہیں اُن تمام کی سرداری اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں دیں گے ـــــ وہ خاتونِ جنّت آ کر عرض کرتی ہیں کہ حضور! میں

اپنے ہاتھ سے چکی پیستی ہوں، میں اپنے ہاتھ سے گھوڑے کیلئے گھاس تیار کرتی ہوں، از راہ نوازش مجھے خادم عطا فرمایا جائے ـــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی! اس سے بڑی چیز میں تمہیں بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ جب تم سونے لگو تو اس وقت ۳۳ دفعہ سبحان اللہ، ۳۳ دفعہ الحمد للہ، ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو ـــــ یہ تو ذکرِ الٰہی ہوا، آج بھی تسبیح فاطمی سے مشہور ہے۔ پانچ نمازوں کے بعد بھی اسے پڑھا جائے ـــــ اور پھر یہ فرمایا کہ بیٹی! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک جبّہ تھا، دن کے وقت جب وہ گھر سے تبلیغ کیلئے نکلتے تھے تو وہ پہن لیتے تھے اور رات کے وقت میاں بیوی کے لئے یہی ایک جبّہ تھا۔ کون حضرت موسیٰ؟ جن کی لاٹھی میں اللہ نے وہ طاقت رکھی کہ فرعون کی تمام سائنس مات پڑ گئی۔ فرعون ۲۵ لاکھ کی فوج سے کہ بحیرۂ قلزم کے کنارے چلتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کہاں ہم سے چھوٹیں گے۔؟ فرعون جو اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی کا دعویٰ کرنے والا تھا، وہ جاتا ہے کئی لاکھ فوج سے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے اور ان کے پاس ایک لاٹھی ہے۔ دریا کے کنارے پہنچے، قوم انہیں کہتی ہے کہ حضرت! وہاں سے تو ہمیں آپ نکال لائے، آگے سمندر ہے پیچھے فرعون ہے، ہم کو تو دو چکی کے پاٹوں میں آپ نے گھیر لیا، اب تو ہم ختم ہو جائیں گے۔ فرمایا: اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۔ (س الشعراء آیت ۶۲) کوئی فکر نہ کرو، ایک لاٹھی کو مارا بحیرۂ قلزم کے اوپر، بارہ سڑکیں بن گئیں، بارہ دیواریں بن گئیں، ان سڑکوں پر وہ جو بارہ قبیلے ہیں، الگ الگ جا رہے ہیں ـــــ یعنی طاقت اللہ نے پیغمبر کو اتنی دی کہ ایک لاٹھی کی ضرب سے بحیرۂ قلزم میں بارہ سڑکیں بن گئیں، اور ان کے اوپر فوجیں جا رہی ہیں، لیکن ایک طرف حالت یہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک جبّہ ہے اس ایک جبّے کو رات کے وقت میاں بیوی دونوں اوڑھ لیتے تھے اور دن کے وقت اس جبّے کو پہن کر تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ بیٹی! یہ بتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اچھے سے اچھا، لذیذ سے لذیذ کھانا جو تناول فرمایا وہ کیا تھا۔؟ وہ کونسی چیز تھی؟ حضرت حفصہؓ نے عرض کیا اپنے والد ماجد سے کہ حضرت! میرے ہاں ایک دفعہ گھی تھوڑا سا ہانڈی کے تلچھٹ میں تھا، اور گھر میں جَو کی روٹی تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے میں نے اس گھی کو روٹی کے اوپر مل کر خدمت میں پیش کیا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شوق سے تناول فرمایا ـــــ

میرے محترم بزرگو! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے جو مالک

ہیں، اُن کا دیہہ آٹھ آنے ہے اور مسلمان جو اہلِ حل والعقد ہیں، مجلس وزراء اور مجلسِ شوریٰ جس کو کہا جاتا ہے، وہ درخواست کرتے ہیں، درخواست میں وہ ڈرتے ہیں کہ سامنے تو ہم کہہ نہیں سکتے، حضرت حفصہؓ کو واسطہ بنایا، پھر حضرت عمرؓ جواب دیتے ہیں کہ اے بیٹی! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک راستہ ہمیں سکھلایا ہے، اور اُس راستے پر میرے ایک ساتھی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلے اور منزلِ مقصود پر پہنچ گئے، تم اُن آدمیوں کو کہہ دینا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اُس راستے سے ہٹ کر چلوں؟ پھر منزلِ مقصود پر کیسے پہنچوں گا -؟ میری زندگی وہی ہوگی - آج آپ دیکھئے دس بارہ کروڑ مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان ہیں۔ لیکن یہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم دس بارہ کروڑ طاقت والوں نے بائیس لاکھ آدمیوں سے تھپڑ کھائے اور کتنی ذلت ہم آج اٹھا رہے ہیں۔ اور ایک وقت وہ ہے، یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، جب اُن کو یہ معلوم ہوا، بیت المقدس کے پادریوں نے فوج سے یہ کہا کہ اس بیت المقدس کی کنجی ہم تمہارے امیر اور خلیفہ کو دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے آنے لگے۔ طریقہ یہ تھا کہ دو میل چار میل خود سوار ہیں۔ اور پھر اُترے، اونٹ کی مہار پکڑی، اور غلام سے کہا کہ اب چار میل تم سوار رہو، اتفاق کی بات کہ جب بیت المقدس قریب آیا تو راستے میں ہزاروں پادری اور بڑے بڑے کرنل اور جرنیل استقبال کیلئے کھڑے ہیں۔ کیا دیکھتے ہیں ابوعبیدہ بن جراح کہ امیر المومنین تو مہار پکڑے ہوئے ہیں اور غلام اونٹنی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس وقت ابوعبیدہ نے عرض کیا کہ حضرت! یہ ایک جوڑا کپڑوں کا میں لایا ہوں، صاف ستھرا، آپ کے سامنے یہ جتنے لوگ ہیں، اس ملک کے کفار، یہ سب کے سب تعظیماً کھڑے ہیں، بڑے زر و جواہر کا لباس انہوں نے پہنا ہوا ہے۔ آپ امیر المومنین ہیں۔ (اُس وقت کرتے کے اوپر بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں۔) اور پھر یہ مہار آپ نے پکڑی ہے اور آپ کا غلام اُوپر بیٹھا ہے۔ آپ ایسا کریں کہ ان کپڑوں کو بدلیں، یہ صاف ستھرے کپڑے پہن لیں، فرمایا: دیکھو ابوعبیدہ! ہم کو اللہ نے جو عزت دی یہ کپڑوں کی وجہ سے نہیں ہے، یہ اسلام اور لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی برکت سے ہے — کہاں ہم اُمّیین اور کہاں یہ قیصر و کسریٰ اور تمام بیت المقدس کے جو پادری ہیں اور اس ملک کے باشندے، یہ ہمارے استقبال کے لئے کھڑے ہیں، یہ برکت کس کی ہے -؟ یہ کپڑے کی نہیں ہے کہ ہمارے کپڑے اچھے ہوں۔ یا دولت کی نہیں ہے، یہ برکت ہے اُس کلمے کی، اُس قرآن کی، هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ۔ اللہ وہ

ذات ہے جس نے اُمیّین میں یعنی اَن پڑھوں میں رسول بھیجا ـــــ اس میں ایک نکتہ یہ بھی علماء لکھتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اس وقت تمام دنیا غلطی میں مبتلا تھی، تمام دنیا میں شرک، گناہ، غلطی موجود تھی، لیکن عرب کی غلطی جو تھی وہ جہل کی غلطی تھی۔ یعنی امی تھے، ناسمجھ تھے، اور قیصر و کسریٰ، شام و روم اور دوسرے ملکوں کی جو غلطیاں تھیں وہ علمی تھیں، وہ خوب سمجھتے تھے کہ شرک بُرا ہے لیکن کرتے رہے ـــــ فرق تھا ـــــ عرب کے باشندے تھے وہ جہل بسیط میں مبتلا تھے، یعنی وہ اَن پڑھ تھے اور اَن پڑھ ہونے کی وجہ سے بس وہ غلطیوں میں پڑے ہوئے تھے ـــــ اور باقی دنیا کے لوگ تعلیم یافتہ تھے ـــــ

بھائیو! اَن پڑھ آدمی کا ٹھیک کرنا تو مشکل نہیں ہے، لیکن تعلیم یافتہ جب خراب ہو جائے تو اُس کا ٹھیک کرنا بڑا مشکل ہے اس کی ایک مثال میں آپ کو دیتا ہوں۔ فرض کیجئے ایک مٹی کی تختی ہے اس پر چند حروف غلط آپ لکھ لیں، آپ نے کسی کے سامنے کہ دیا، کہ بھائی یہ تختی ہے، اس پر یہ کلمہ لکھا ہوا ہے، وہ کہے، بھائی! یہ تو غلط ہے۔ بھائی! اس کی اصلاح کیسے کریں۔؟ ذرا دھو لو، ـــــ پانی سے دھو لیجئے اور پھر اس پر مٹی مل لیجئے، پھر صحیح کلمہ لکھئے ـــــ تو جاہل جو ہوتا ہے، وہ ناسمجھی کی بناء پر جا ہے جو کچھ بھی کرے لیکن ایک دفعہ جب وہ سمجھ جاتا ہے تو پھر وہ غلط راستے پر نہیں جاتا۔ آپ کے سامنے حضرت مفتی بشیر احمد صاحب نے ولید ابن ولید کا قصہ سنا دیا کہ جب تک اُسے اسلام معلوم نہ تھا وہ مخالفت بھی کرتا رہا، لڑتا بھی رہا، لیکن جب اُسے ایک چیز معلوم ہو گئی کہ یہ حق ہے، پھر وہ اس وقت سب کچھ قربان کرنے لگا، اور مسلمان ہوا ـــــ اور یہ تعلیم یافتہ جب خراب ہو جاتا ہے، اُس کی مثال ایسی ہے جیسے لوہے کی ایک تختی میں آپ غلط حروف کندہ کر دیں، اب اس تختی میں سے آپ اُس غلط کلمے یا غلط حروف کو کیسے مٹائیں گے۔؟ دھو لیجئے صابن کے ساتھ خوب، پاؤڈر بھی لگا لیجئے، مٹے گا۔؟ کبھی نہیں مٹتا ـــــ بھائی! رگڑ سے، بوری سے، ٹاٹ سے، صابن سے، نہیں کسی سے یہ ٹھیک نہیں ہوتا ـــــ اس کے لئے اب کیا طریقہ ہے! اُس کا طریقہ یہ ہے کہ اب اس لوہے کی تختی کو آگ میں ڈال دو تاکہ وہ پگھل جائے، لوہار کو دو تاکہ وہ پگھلا دے۔ اور پگھلنے کے بعد پھر ہتھوڑا لو اور اُسے خوب پیٹو، دوسری تختی بناؤ ـــــ مادہ تو وہی ہے لیکن اس کی پہلی ہیئت کو بگاڑ کر کے پھر اُس تختی کو ٹھیک کرو، تب اس کے اوپر آپ صحیح حروف کندہ کر سکیں گے ـــــ

ـــــ تو عرب کی جو حالت تھی وہ اُمّی تھے، اَن پڑھ تھے، وہ جہل بسیط میں مبتلا تھے حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تک انہوں نے نہیں پہچانا، وہ مخالف تھے، لیکن جب انہوں نے پہچان لیا پھر وہ سب کے سب متبع ہو گئے —— ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک بڑے عظیم الشان پیغمبر کو بھیجا —— اس عظیم الشان پیغمبر کی برکت سے آج اسی کروڑ مسلمان روئے زمین پر موجود ہیں۔ چودہ سو برس گذر گئے، لیکن الحمد للہ یہاں ایک آواز اٹھی کہ یہاں درسِ قرآن ہوگا، ہمارے بھائی عثمان غنی صاحب نے دعوت دی، کہاں کہاں سے پروانے جمع ہو گئے۔ یہ ہے اللہ کی شان ——

بھائیو! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ۔ ہم نے اس قرآن کو نازل کیا، اس کے الفاظ محفوظ، اس کے نقوش محفوظ، اس کا لب ولہجہ محفوظ، اس کے معانی بھی محفوظ —— اور یہ بھی میں آپ سے عرض کروں کہ یہ معانی جو ہیں ان کو بیان کرنے والے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں —— ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ۔

ہمارے حضرت مفتی صاحب نے جو آپ کے سامنے کہا کہ تلاوت کے بعد تزکیہ ——
یہ دل و دماغ جو ہے یہ ظرف ہے اور قرآن مظروف ہے —— تو جب برتن پاک ہوگا اس میں آپ دودھ ڈالیں وہ بھی پاک ہوگا۔ پیالی اگر پاک ہو تو اس میں چائے ڈالئے، دودھ ڈالئے، ترکاری ڈالئے، وہ پاک ہو گی۔ لیکن اگر برتن پلید ہو اس میں آپ دودھ ڈالیں تو وہ بھی پلید ہوگا۔ اس لئے سب سے پہلے یُزَکِّیْھِمْ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے دلوں کا تزکیہ فرمایا، کہ تمام کایا پلٹ دی لوگوں کی، تمام حالتیں لوگوں کی بدل دیں۔ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ۔ اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے معانی سکھلائے —— اور تعلیم سے پہلے تزکیہ ذکر کرنے میں بھی یہی نکتہ تھا، قرآن مجید کی ترتیب اور کسی لفظ کی تقدیم یا تاخیر بھی ہزاروں حکمتوں اور بیشمار لطائف سے خالی نہیں ہوتی، تزکیہ کے بعد قرآن مجید کے اسرار معلوم ہوں گے۔

بھائیو! ایک لطیفہ میں آپ کی خدمت میں عرض کروں۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ دیوبند میں حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ طالب علمی کا زمانہ تھا، اللہ نے ان کو ذہانت بہت عطا فرمائی تھی۔ کہتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی سے پوچھا کہ قرآن مجید میں دو آیتیں ہیں۔ ایک آیت تو ہے: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا۔ (س المائدہ آیت ۳۸) چور مرد ہو، چور عورت ہو، فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا، ان کے ہاتھوں کو کاٹ دو۔

—— آج لوگ کہتے ہیں اگر اسلام کے اوپر عمل ہو تو سب ٹنڈے منڈے ہو جائیں گے۔ دیکھئے ذرا اس ایک واقعہ کو کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کو فتح کیا، یہ حقیقت میں کل دنیا کی فتح ہے، خدا کی شان کہ بنو مخزوم جو کہ قریش میں بڑی باعزت قوم تھی —— بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی اور ثابت ہو گئی —— یہ گویا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہے، قریش، اور مکے کے رہنے والے ہیں، گویا اپنے گھر کے اوپر مسئلہ پیش آیا —— ایک عورت نے چوری کی، اور دعویٰ ہوا، رپورٹ ہوئی، اب تمام بنو مخزوم اور قریش پریشان ہیں۔ یہ تو بڑی بدنامی ہو جائے گی، ہماری ایک عورت کا ہاتھ کٹ جائے جیسے کہ آجکل ہم ڈرتے ہیں بدنامی سے —— کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفارش کرے۔ اخیر میں سب نے کہا کہ حضرت اُسامہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کے صاحبزادے تھے، بڑی محبت تھی، ایک دفعہ حضرت اسامہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران کے اوپر بٹھایا، اور دوسری ران پر حضرت حسینؓ کو —— ایک طرف شہزادہ، دوسری طرف غلام زادہ —— دونوں کے سروں کو ملا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا، یا اللہ! مجھے ان دونوں سے محبت ہے اور تو ان سے محبت رکھ جو ان سے محبت رکھے —— حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ اگر ایک ہاتھ میں اپنا بیٹا اور نواسہ ہے، تو دوسرے ہاتھ میں غلام کا بیٹا ہے۔ اس کو کہتے ہیں مساوات۔ جو لوگ آجکل مساوات مساوات چلاتے ہیں —— انہیں اپنی تاریخ معلوم نہیں —— تو لوگوں نے کہا کہ حضرت اُسامہ کو پیش کر دو —— حضرت اُسامہ کی خدمت میں لوگ آئے —— یہ ایک عورت کا معاملہ ہے، چوری کا، آپ سفارش کریں۔ حضرت اُسامہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! —— آج حکومت نئی نئی قائم ہوئی ہے، اگر ابھی سے تشدد شروع کیا جائے۔ (آج کے الفاظ میں کہہ رہا ہوں) تو یہ لوگ تو متنفر ہو جائیں گے دین سے اور یہ دین ختم ہو جائے گا۔ (بالکل رجعی بن جائیں گے) —— بھائی یہ جو رجعی بن جائیں گے جہل مرکب والے بننے دو، ہمیں ان کی کوئی پرواہ نہیں۔ مگر اللہ کے حدود قائم کر دو۔ انہوں نے کہا کہ حضرت اس دفعہ معاف کر دیں حضورؐ نے خطبہ دیا اس مکہ معظمہ میں، بیت اللہ شریف میں، اپنے خاندان پر معاملہ ہے۔ سب سے پہلے کھڑے ہو کر تقریر کی کہ اے قوم! اللہ تعالیٰ نے آج ہمیں بادشاہی دی سلطنت دی، ہم سے پہلے بہت سی قوموں کو اللہ نے سلطنت دی تھی۔ لیکن جب ان قوموں کو سلطنتیں ملیں انہوں نے غریب کے اوپر قانون کو جاری کیا، امیر کو معاف کیا۔ یاد رکھئے! اسلام کا قانون

سب کیلئے یکساں ہے ـــــ جس عورت نے چوری کی تھی اُس کا نام بھی فاطمہ تھا، ترمذی وغیرہ میں یہ روایت ہے ـــــ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ فاطمہ تو میری قوم کی فاطمہ ہے اگر فاطمہ میری جگر گوشہ چوری کر لیتی (اللہ اُسے پناہ دے) میں اس کے ہاتھ بھی کاٹتا ـــــ اور یہ دنیا کی سلطنتیں جو تباہ ہوئیں وہ اسی وجہ سے ہوئیں کہ جب خدا نے ان کو حکومت دی تو انہوں نے اس کی قدر نہ کی، خدا کے قوانین کا نفاذ نہیں کیا اس لئے تباہ ہوئے ـــــ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں آج ہمیں اللہ نے حکومت دی، تم کیا اس میں سفارش کرتے ہو۔؟

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ وہ آیت مبارک ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں چور مرد اور چور عورت دونوں کا ہاتھ کاٹ دو ـــــ اس آیت میں مرد کو پہلے ذکر کیا۔ وَالسَّارِقُ ـــــ اور عورت کو بعد میں ـــــ اور دوسری آیت ہے۔ اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (س النور آیت ۲) ـــــ وہ عورت جو زنا کرے، وہ مرد جو زنا کرے، ان کو سَو دُرّے لگاؤ (اگر زنا کا ثبوت ہو) ـــــ

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اپنے شاگرد مولانا تھانوی ؒ سے کہ بھائی! دونوں جگہ حد کا مسئلہ ہے ـــــ پہلی جگہ تو وَالسَّارِقُ مقدّم ہے، مرد مقدم ہے۔ چور مرد، چور عورت ـــــ اور یہاں دوسری آیت میں عورت مقدّم ہے۔ اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ۔ اس کی وجہ کیا ہے۔؟ اب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سوچ کر کے عرض کیا، جواب دیا استاذ کو، انہوں نے کہا حضرت! میرے دل میں تو یہ بات آتی ہے کہ یہ چوری جو ہے، یہ باہمت کا کام ہے، چوری کرنا تو آسان کام نہیں، چونکہ چور تو مرد بھی ہو سکتا ہے، عورت بھی، لیکن چوری کیلئے ہمّت کی ضرورت ہے، اور ہمّت آدمی میں بہ نسبت عورتوں کے زیادہ ہے۔ اس لئے چوری مردوں میں بہ نسبت عورتوں کے زیادہ ہو سکتی ہے، اور اُن میں ہمّت بھی زیادہ ہے۔ اس لئے اللہ نے ان کو پہلے ذکر کر دیا وَالسَّارِقُ ـــــ اور یہ زنا جو ہے اس کا منشاء شہوت ہے، شہوت رانی ـــــ اور شہوت عورتوں میں بہ نسبت مردوں کے زیادہ ہے۔ اس لئے یہاں اَلزَّانِیَۃُ، عورت کو مقدّم کیا ـــــ اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ ـــــ تو ـــــ خیر حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ بڑے خفے ہو گئے اور یہ کہا کہ نہیں، یہ جو تم نے توجیہہ بیان کی ہے، اگر ایسا ہوتا تو قیامت کے دن چور کہے گا، یا اللہ! تو نے مجھے قوّتِ مردانگی اور ہمّت دی تھی اسی لئے میں نے اس قوّت کو استعمال کر لیا تو آپ۔ مجھے کیوں پکڑتے ہیں؟

وہ تو میں نے فطرت کے مطابق چوری کی ـــــ مردانگی اسی لئے دی تاکہ لڑوں اور چھینوں ـــ اور عورت کہے گی کہ یا اللہ! اگر مجھ سے غلطی ہوئی تو قوتِ شہوانی آپ ہی نے دی تھی، سب سے زیادہ دی تھی، اس لئے میرا مواخذہ کیوں کرتے ہیں۔؟ اس لئے آپ نے جو نکتہ بیان کیا یہ نکتہ تو ایسا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فَاجْلِدُوْا، فَاقْطَعُوْا نہ مرتب ہونے چاہئیں۔ وہ تو ان کو چھوڑنا چاہیئے ـــــ حضرت تھانویؒ نے عرض کیا "حضرت آپ ہی بتائیں۔" فرمایا کہ میرے دل میں اللہ نے یہ بات القاء کی کہ دیکھو یہ چوری جو ہے یہ تو حرام کھانا ہے۔ مرد کے لئے حلال ذریعے سے کمائی کے بہت سے طریقے ہیں، وہ تجارت کر سکتا ہے، ملازمت کر سکتا ہے، مزدوری کر سکتا ہے، چونکہ وہ آزاد ہے ہر جگہ چل پھر سکتا ہے، تو حلال روزی حاصل کرنے کے بہت سے طریقے ہیں اور اس پر مرد قادر ہے ـــــ اور عورت جو ہے، اس کیلئے اتنے ذرائع نہیں ہیں جتنے کہ مرد کیلئے ہیں۔ اس لئے کہ عورت بچاری پردے میں ہے تو وہ مزدوری نہیں کر سکتی، باہر نہیں پھر سکتی، ہاں گھر میں بیٹھ کر کہیں سلائی مشین وغیرہ کا کام کرے، یہ تو ہو سکتا ہے، لیکن مرد کے پاس جتنے ذرائع حلال کمائی کے ہیں، وہ عورت کے پاس نہیں ہیں، اس لئے کہ وہ حجاب میں ہے، پردے اور گھر میں ہے ـــــ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجرم کو پہلے ذکر کیا کہ مرد جس کے پاس حلال کمائی کے ذرائع بکثرت ہیں، پھر بھی وہ چوری کرتا ہے تو وہ ایک نمبر ظالم اور چور ہے۔ وَالسَّارِقُ ـــ اور عورت جو ہے، اس کی چوری بھی گناہ ہے لیکن وہ نمبر ۲ پر ہے، اس لئے کہ اس بچاری کے پاس حلال ذرائع آمدنی کے نہیں ہیں۔ اس لئے وہاں عورت کو بعد میں ذکر کیا، مرد کو پہلے ذکر کیا ـــــ نمبر ایک بدمعاش ـــــ اور اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ۔ اس میں عورت کو کیوں پہلے ذکر کیا۔؟ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا۔ دیکھو یہ زنا جو ہے یہ تو اسی وقت ہوتا ہے کہ جہاں پر کوئی حجاب نہ ہو، جہاں مرد اور عورت میں حجاب نہ ہو، اس وقت یہ زنا متحقق ہوتا ہے۔ اب یہاں پر دیکھیں مرد ہے، مرد تو باہر گھومتا ہے۔ مرد کے لئے حجاب اور ستر کا حکم نہیں، ہاں مرد کے لئے حکم ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (س النور۔ آیت ۳۰) مسلمانوں سے کہہ دینا کہ جب راستے پر جاتے ہو، اور کوئی اجنبی عورت آئے تو تم آنکھ کو نیچے کر لو۔

ایک دفعہ صحابہؓ کو، مسلمانوں کو عیسائیوں نے پکڑ لیا اور پکڑنے کے بعد کہا کہ گرجے میں انہیں لے جاؤ۔ اور جتنی حسین وجمیل عورتیں تھیں وہ وہاں لے آئے تاکہ یہ ان پر فریفتہ ہو کر اپنے

ایمان کو کھو بیٹھیں ـــــ آج کل ہمارے ساتھ بھی یہی سلوک ہو رہا ہے ـــــ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ۔ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ مرد ایک کمرے میں بیٹھ جائیں، پردے میں راستے میں جائیں، ہاں یہ کہا کہ جب کوئی اجنبی عورت آئے تو آنکھوں کو نیچے کر لو۔ تو گویا مرد کیلئے حجاب نہیں ہے، تو اس کیلئے زنا کے راستے کھلے ہیں۔ اس لئے کہ وہ ہر جگہ جا سکتا ہے۔ بازار میں وہ جا سکتا ہے، جنگل میں وہ جا سکتا ہے، جہاں جہاں عورت نہیں جا سکتی۔ وہاں مرد جا سکتا ہے، اس لئے کہ وہ ذرائع جو موانع ہیں زنا کے وہ مرد کے حق میں کم ہیں، بخلاف عورت کے کہ عورت کیلئے تو حکم ہے کہ تم گھروں میں رہو، تم گھر کی مالکہ ہو تم گھر میں رہو، گھر سے باہر بلا ضرورت نہ نکلنا، اور اگر نکلنا بھی ہو تو حجاب اور پردے میں۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ۔ (س نور آیت ۳۱) ـــــ یہ بھی حکم ہے ـــــ دوسرے مقام پہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ (س الاحزاب آیت ۵۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنی بیویوں کو، اپنی بیٹیوں کو کہہ دینا کہ اپنے حجاب کو نیچے کریں ـــــ تو اب زنا کیلئے جو موانع ہیں وہ تو حجاب ہے، تو عورتوں میں چونکہ حجاب موجود ہے، اس لئے اس کے حق میں موانع زنا بہت ہیں ـــــ اب جو عورت ان موانع کے باوجود زنا کرے تو وہ نمبر ایک مجرم ہے، اور مرد کیلئے موانع زنا بہت کم ہیں، پھر اس کے بعد اگر وہ زنا کرے، وہ بھی مجرم ہے لیکن وہ نمبر دو مجرم ہے۔ اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ۔ یہاں زانیہ کو پہلے ذکر کیا اور زانی کو بعد میں اس لئے کہ نمبر دو مجرم ہے۔ اور وہاں چور نمبر ایک مجرم ہے۔ غرض جسقدر تزکیہ اس وقت حضرت مولانا محمد یعقوب کا تھا۔ تو قرآن کے اسرار بھی اس کے مطابق ان پہ کھلے۔ تو قرآن دانی کیلئے وَیُزَکِّیْھِمْ کی ضرورت ہے۔ کہ جب قلب پاک ہوگا، ربط مع اللہ ہوگا، وہاں سے القاءِ مضامین ہوگا، وہاں سے لطائف حل ہو جائیں گے۔ لیکن اگر خدا کے ساتھ تعلق نہ ہو، قرآن مجید کی طرف کوئی توجہ ہی نہ ہو تو پھر معاملہ خراب ہے۔

بہر تقدیر ـــــ بھائیو! آج کے اس دور میں الحمد للہ یہ معجزہ ہے قرآن کا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ اس قرآن کی برکت سے ہم مسلمان ہیں، آج بھی ـــــ آج خوش قسمتی ہے آپ کی کہ آپ کے استاد حضرت علامہ قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب ؒ امت برکاتہم فاضل دیوبند حضرت شیخ التفسیر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ جیسے شخص جو کہ صحابہؓ اور

تابعین اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تفسیر فرمائی اُس کا بیان کرنے والے عالم ہیں۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے ۔۔۔ بھائیو! قرآن کے الفاظ، قرآن کا معنیٰ وہی ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا۔ افسوس! آج لوگ ہمیں بدقسمتی سے یہ بتاتے ہیں کہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک ڈاکیہ خط لے آتا ہے اور کسی کو خط دیا اور وہ چلے گئے، اب خط جانے اور وہ آدمی جانے ۔۔۔ کہتے ہیں قرآن ہم اب سمجھیں گے۔ جو مطلب ہم لیں وہ صحیح ہے ۔۔۔ نہیں بھائی! پیغمبر اللہ کا خلیفہ ہوتا ہے، پیغمبر کی شان یہ ہے کہ وہ قرآن کا معنیٰ بتاتا ہے، ہمارے سامنے جو بھی کوئی معنیٰ بیان کرے ہم اُس سے پوچھیں گے کہ ہمیں صحیح احادیث میں بتائیے کہ یہ معنیٰ کہاں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے؟ یا صحابہؓ نے بیان کیا؟ اگر انہوں نے بیان کیا ہو تو بالرّاس وَالعَین۔ اور اگر انہوں نے نہیں بیان کیا تو ہمیں ایسے معانی کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ جلّ مجدہٗ نے اپنے دین کی حفاظت فرمائی بڑی سعادت اور خوش قسمتی ہے۔ آپ بزرگوں کی کہ ایسا عالم اللہ نے آپ کو عطا فرمایا۔ بہرتقدیر یہ جماعت، یہ درس اللہ تا ابد باقی رکھے، حضرت شیخ التفسیر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ صدقہ ہے۔ یہ اللہ جاری اور دائم رکھے اور ہمارے ان احباب کی عمروں میں برکت عطا فرمائے ۔۔۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ

جمعیۃ العلماء مشرقی پاکستان کی دعوت پر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ اور مدیر ماہنامہ الحق ۳ر جنوری کو ڈھاکہ تشریف لے جائیں گے انشاء اللہ ۹ر ۱۰ر جنوری تک دارالعلوم واپسی ہوگی ۔۔۔ (ناظم دارالعلوم)

فدائے ناموس ختم نبوت شورش کاشمیری کی باعزت رہائی اسلامیانِ پاکستان کی حمیّتِ دینی اور غیرتِ ایمانی کی ایک روشن دلیل ہے۔ یہ آزمائش شورش کیلئے دین و دنیا کی سرخروئی کا موجب ہے۔ انشاء اللہ حق تعالیٰ نے ختم نبوّت کی تاکید شورش سے کرائی، ابتلاء میں استقامت سے نوازا، اب انہیں رہتے دم تک اس خلعتِ فاخرہ پر اپنے رب کا شکر گزار رہنا ہوگا۔ ہم دل کی گہرائیوں سے انہیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں، اور زیادہ سے زیادہ جوشِ عمل اور اخلاص کے لئے دعاگو ہیں۔ ۔۔۔ (ادارۂ الحق) ۔۔۔

سیرت کی اہمیت

قسط ۲

ارشادات علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ

مرتب:۔ قاری محمد سلیمان استاذ جامعہ رحمانیہ حنفیہ لاہور

——— تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ رنگ کا مسئلہ اضافی ہے حقیقی نہیں، دیکھئے اگر ہم آم زرد پسند کرتے ہیں، تو تربوز سبز، جامن سیاہ دل کو بھاتا ہے تو انگور سفید۔ داڑھی کے سفید بالوں کے مقابلہ میں سیاہ زیادہ پسند ہیں۔ یہ کوئی خدائی فیصلہ نہیں بلکہ اپنا ذوق طبع ہے، ہر سفید چیز ہر ایک کو نہیں بھاتی اور نہ ہر سیاہ ہر ایک کو پسند ہوتی ہے۔ مسئلۃ الالوان اضافیۃ۔ ذوق، اپنی پسند اور اپنی نظیر کے لحاظ سے الگ الگ ہے، بلال حبشیؓ کے بدن کا ایک بال یورپ امریکہ کی کل کائنات سے زیادہ قیمتی ہے ——— میرا ذوق یہ ہے کہ میں ہمیشہ سیاہ گرگابی پہنتا ہوں۔ صندوق بھی سیاہ ہی پسند کرتا ہوں۔ یہ چیز مقولہ کیف سے ہے، جو کہ عدم استکہ ہے۔

ترقی اور برتری کا معیار | رنگ روغن میں کچھ نہیں۔ لا فضل لعربی علی عجمی۔ کسی عربی کو عجمی اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل نہیں۔ اور نہ کسی کالے کو گورے پر۔ اور گورے کو کالے پر۔ الا بالعلم والتقوٰی۔ مگر ہاں ملاں پن اور تقوٰی کی وجہ سے۔ یورپ نے سکھایا۔ دیکھو! ملاں پن کو ختم کر دو یہ سوسائٹی کا مرد بیمار ہے۔ اس کو نکالو گے تو ترقی ملے گی۔ ان کو سب سے ذلیل سمجھو۔ لیکن اللہ فرماتے ہیں: یرفع اللہ الذین اٰمنو منکم والذین اوتو العلم درجت۔ اللہ تعالیٰ تو ملاں پن کو اونچا بتلاتے ہیں۔ اور تم نے یورپ کی تقلید میں کہا کہ یورپ والوں کا فرمان سچا ہے، قرآن جھوٹا ہے نعوذ باللہ۔ خدا اور خدا کے رسول کو جھوٹا کہا، ملا کو برا کہا۔ اللہ اور اس کے رسول کی توہین کی، فبای حدیث بعدہ یومنون!

تو اسلامی نظریے کے مطابق رنگ کوئی چیز نہیں۔ تم ابھی نابالغ بچے ہو کہ یورپ کی ٹانگ پکڑے بیٹھے ہو۔ رنگ پر اگر عرب ناز کریں تو ان کو بھی چھوڑ دو۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی طاقتوں

کے سربراہ ولسن، جانسن، کوسیجن، حضرت علیؓ کے غلام قنبر کے برابر کیا۔؟ ان کے وضو سے پانی کے جو قطرے ٹپکیں ان کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔

احساس کہتری کے غلامو ہوشیار ہو جاؤ۔ خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔ کنتم خیر امۃ۔ مومن بالا ہے، ہر بالاتر سے بھی۔ انتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ اونچے ہو جاؤ، دوسروں کے دست نگر کیوں بنتے ہو۔

غیر قوموں کی تقلید | والئ قلات نے ایک دفعہ پوچھا کہ ہیٹ پہننا کیسا ہے۔؟ دراصل ان لوگوں کو پوچھنے کی بیماری ہوتی ہے، اتنا کون نہیں جانتا کہ ہماری تہذیب کیا ہے۔ اور غیر مسلموں کی کیا۔ علماء کے ساتھ تمسخر کے لئے یہ پوچھتے ہیں۔ میں نے کہا ہیٹ پہ ایک پیوند لگا لو۔ اور پتلون۔؟ تو اس پر بھی ایک چیتھڑا لگا لو۔ اس سے تمہیں احساس ہوگا کہ یہ ہماری پتلون ہے۔ چیتھڑا لگانے سے جرأت آجائے گی، تمہاری پتلون ہو جائے گی۔ موجد بنو، مقلد نہ بنو۔ گناہ ہی کرنا ہے تو نیا کرو، ان کا نہ کرو۔

ایک واعظ صاحب تھے، وہ اپنے وعظ میں کرامات اولیاء زیادہ بیان کرتے تھے، ایک دفعہ اسی سلسلہ میں کسی بزرگ کی خود تراشیدہ کرامت بڑھا چڑھا کر بیان کی۔ میں نے پوچھا کہ جناب یہ آپ نے کونسی کتاب میں دیکھی ہے، کہنے لگے جھوٹ بولنے کے لئے کتاب کی کیا ضرورت ہے۔ جھوٹ بولنے کیلئے جھوٹے مواد والی کتابیں، افسانے، ناول مل سکتے ہیں۔ لیکن جب جھوٹ ہی بولنا ہے تو اپنا بولو! پتلون ہی اگر پہننی ہے تو اپنی ایجاد کرو، فرنگی خبیث کی ایجاد کردہ کیوں پہنتے ہو۔ اس لئے میں نے والی صاحب سے کہا کہ ہیٹ میں کچھ تبدیلی کر لو۔ پاکستانی مغرب زدہ مسلمانوں کو کھیلنا بھی نہیں آتا، کھیل بھی ان کا کھیلتے ہیں، جن کے چمڑے میں لاکھوں مسلمانوں کا خون بھرا ہے، اپنے لئے راستہ خود وضع کرو۔ غیروں کے نقش قدم پر مت چلو، آپ میں خودی ہونی چاہئے۔ گناہ بھی اپنا ایجاد کرو، عہد کر لو، آج سے فرنگی کی تقلید سے توبہ۔ امریکیوں کا گناہ بھی نہیں کریں گے۔ کچھ غیرت باقی ہے یا کہ برف کے تودے بن کر رہ گئے ہو۔ قرآن وحدیث تو پھونکنی ہیں پھونکنی! اگر راکھ کے اندر کوئی انگاری ہے تو سلگ پڑے گی۔ اگر راکھ کا ڈھیر ہی باقی رہ گیا ہے تو پھر پھونکنے سے کچھ نہیں حاصل ہوگا۔

سیرت وصورت میں اعتدال کا نام خوبصورتی ہے، جس طرح بدن کے اعضاء ہیں۔ اسی طرح روح کا ڈھانچہ اور شکل ہے۔ روح بھی خوبصورتی، بدصورتی دونوں کو قبول کرتی ہے، روح کیسے

کہتے ہیں - قل الروح من امر ربی - یہ ایک امر ربی ہے - وما اوتیتم من العلم الا قلیلا! بہرحال علم قلیل کے مطابق بھی عرض کرنے کے لئے وقت درکار ہے، حکماء اور اطباء نے فرمایا ہے، کہ انسان کے اعضاء رئیسہ ہیں - دل، دماغ اور جگر - اسی طرح روح انسانی کے بھی بنیادی تین اعضاء ہیں - ۱- قوت خواہش (نزوعیہ) کسی چیز کی محبت والفت، اسکو شہویہ بھی کہتے ہیں - اس طاقت کے ذریعہ طبیعت کا میلان کسی خاص طرف ہوتا ہے۔

۲- قوت غضبیہ - جو کوئی مضر چیز سامنے آتے اسکی مدافعت کرنے کیلئے دشمن کے مقابلہ کے لئے، غرض یہ ایک انتقامی قوت ہے جو خاص موقعوں پر ابھرتی ہے - جیسا کہ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو زندہ دلان لاہور نے بھارتی درندوں کا منہ توڑ جواب دیا - امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں گورنر لاہور کو لکھتے ہیں کہ لاہور ایک مخصوص شہر ہے جس کے باشندے اور حکمرانوں کو دین کی حفاظت کی توفیق ملتی ہے۔

ملک سے زیادہ دین کی حفاظت ضروری ہے۔ اس جنگ میں آپ نے ملک اور اپنی عزت وناموس کی حفاظت کرکے واقفیت کا ثبوت دیا ہے - ملک سے زیادہ دین کی حفاظت کی ضرورت ہے، دین نہ رہا، ہم نہ رہے تو کس کام کے گلاب، پھول تو موجود ہو لیکن خوشبو نہ ہو محفل میں رکھا بھی بے رونق ہوتا ہے - چنبیلی، عطر اگر خوشبو نہ ہو تو کس کام کے نہیں - ہماری بو ہمارا ایمان ہے - ایمان اگر نہ رہا تو راکھ اور ہم برابر ہیں - پھر ہندو ہم پر غالب آگئے یا ہم ہندو پر غالب آگئے، دونوں برابر ہے۔

۳- قوت عقلیہ - علم حاصل کرنے کی طاقت، اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت بھی انسان میں رکھی! اگر یہ بنیادی اعضاء درست ہوں، متوازن ہوں - معتدل ہوں تو روح خوبصورت ہے - افراط و تفریط سے بدصورتی ہو جاتی ہے - قوت شہویہ کو کس لئے پیدا کیا -؟ اعتدال کیا ہے -؟ مال، بیوی، بچوں مکان، باقی جسمانی ضروریات اس طاقت کے تحت حاصل ہوتی ہیں - یہ طاقت نہ ہوتی تو طلب نہ پیدا ہوتی - یہ ہے اعتدال - بے اعتدالی یہ ہے کہ یہ طاقت کم ہو، جیسے جسمانیات میں ناک رائی کے دانے کے برابر ہو یا زیادہ ہو جیسے ہاتھی کی سونڈ - ہاتھ پاؤں توڑ کر بیکار محض ہو کر بیٹھ جانے، کہ کوئی میرے منہ میں لقمہ ڈالے، جب ہی کھاؤں گا، یہ روح کی بے اعتدالی ہے - کہ میلانی قوت ناقص، کم اور چھوٹا ہو، ایسا کہ ضرورت کی چیزیں بھی طلب نہیں کر سکتا - حضرت عمرؓ کا قول ہے، اے علماء دین! سونا اور چاندی آسمان سے نہیں اترتے، اس لئے قوم پر رحمت بوجھ بنو! اپنی روٹی خود کماؤ۔

علماء کے افلاس کی حکمت | وزارت کے وقت والی قلات نے مجھ سے پوچھا کہ مولوی کیوں مفلس ہے ؟ علماء کیوں محتاج ہیں، میں نے کہا اللہ کے ہاں تو مقبول ہیں۔ بات یہ ہے کہ جو چیز ملت کے لئے انتہائی ضروری ہو، اسکو اللہ تعالیٰ بہت عام فرما دیتے ہیں، جیسا کہ پانی بہت ضروری ہے۔ اس لئے یہ عام اور مفت مل جاتا ہے۔ کہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ اور اگر قیمت بھی وصول کی جائے تو بہت کم نہ ہونے کے برابر۔ چنانچہ پانی کو عام فرمایا۔ دیکھئے سندھ کہاں سے نکلتا ہے، اگر یہ پانی ایثار نہ کرتا، اپنی جگہ سے حرکت نہ کرتا، اسی طرح لاہور کے پانچ دریا حرکت نہ کرتے تو لاہور والے قطرۂ آب کو ترس جاتے۔

سورج کی انتہائی ضرورت تھی، اسکی روشنی کو عام کر دیا، جدید یا قدیم سائنس کے مطابق زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ یا سورج زمین کے گرد گھومتا ہے، دونوں حال میں ایک محسوس حرکت ہے۔ اسی قاعدہ کے مطابق ہر حاجت کی چیز کے لئے حرکت کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا، آپ کے ہاں سیب عام ہے آپ کراچی بھیج دیتے ہیں کہ وہاں کی ضرورت پوری ہو، کہنے لگے یہ بات تو ٹھیک ہے، میں نے کہا تو پھر عالم اور مولوی کی حرکت بھی مبنی ہے حاجت پر۔ دیکھئے آپ کو حاجت تھی کہ تقریر سننے آئے۔ اب تقریر ختم ہو گی تو گھر کو چل دیں گے کہ سونے کی حاجت ہے، لیکن جب جا کر سو گئے تو حرکت ختم ہو جائے گی، کہ حاجت باقی نہیں۔ آپ گھر سے دفتر جاتے ہیں، اس لئے کہ سرکاری ڈیوٹی ادا کرنے کی حاجت ہے، جب دفتر پہنچ گئے، تو بس حرکت بند ہو گئی کہ جائے حاجت اور منزل مقصود تک پہنچ گئے، فلسفہ حرکت و سکون حاجت کے تحت ہے، امت کو مولوی کی ضرورت تھی۔ مولوی میں حاجت پیدا کر دی کہ حرکت کرے۔ یعنی مولوی کا احتیاج تمہارے احتیاج کے تحت ہے، یعنی یہ بھی دراصل تمہارا احتیاج ہے۔

علماء خدا کے ہاں عزت والے ہیں۔ | کوئٹہ میں ایک صاحب نے کہا، مولانا ! فی زمانہ علماء کی کوئی قدر و قیمت، کوئی عزت، کوئی وقار نہیں، میں نے کہا ! کس کے ہاں نہیں ! کیا ڈپٹی کمشنر یا کمشنر کے ہاں نہیں ! ان کے ہاں نہیں تو نہ سہی، خدا کے ہاں تو عزت ہے، میں نے یہ آیت پڑھی :-
یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت۔ اولاد آدم میں عزت، رتبہ، رفعت، مدارج عالیہ تو مومنوں اور اہل علم ہی کے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ کیا عالم اور جاہل برابر ہیں۔ ؟ یعنی اگر جاہل تمام کرۂ ارضی کا مالک ہے اور عالم کے ہاں رات کے لئے آٹا بھی نہیں۔ مگر خدا کے ہاں عزت اس عالم کی ہے، زمین کی چند کھوپریاں

عارضی اقتدار کی کرسی پہ بیٹھ کر چند ٹکوں کے چند روزہ مالک علماء کی عزت نہیں کرتے تو کیا ہوا۔

لیاقت علی خان کا زمانہ تھا، میں نے کہا ملک کے طول و عرض میں وزیر اعظم کی عزت ہے کہ نہیں ؟ کہنے لگے ضرور ہے۔ میں نے کہا ہمارے بنگلہ کا خاکروب رام کلّہ ہے اس کے ہاں تو لیاقت کی کوئی عزت نہیں، تو پھر لیاقت علی کی کوئی عزت نہ ہوئی ؟ کہنے لگے، رام کلے عزت کرے یا نہ کرے اس سے لیاقت کی عزت پہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں نے کہا یہ حاکم تو رام کلے کے برابر بھی نہیں، اگر یہ مولوی کی عزت نہ کریں۔ تو بیشک نہ کریں، وہاں اوپر تو مولوی کی عزت ہے۔ عزت کی جگہ تو وہ ہے۔

میں والئی قلات اور ایک اور صاحب اقتدار تینوں اکٹھے نماز پڑھ کے نکلے تو آگے ایک بڑھیا آگئی اور اپنا بچہ میرے سامنے سے آئی اور کہا مولانا بچّے کے سینہ پہ ذرا ہاتھ پھیر دیں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے جواب کے لئے اس عورت کو سامنے سے آیا، اور مجھے دوسری دلیل مل گئی۔ میں نے کہا والی صاحب ! آپ ان کے بادشاہ ہیں، یہ آپ کی رعیت ہے، اور میں غیر ملک کا آدمی ہوں۔ آپ ہزاروں کے مالک ہیں، نوٹوں کے مالک ہیں، یہ کیا بات ہے کہ بوڑھی بچے کو میرے سامنے لائی، آپ کے سامنے نہ لائی۔ حالانکہ میں بھی آپ جیسا ایک انسان ہوں۔ میرے پاس وہ دولت بھی نہیں جو آپ کے پاس ہے، کوئی عہدہ نہیں، کوئی اقتدار نہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ یہ بڑھیا میرا ہاتھ بچّے کے سینہ پہ پھرواتی ہے۔ اور آپ کا نہیں۔ آخر فرق کیا ہے، اس میں کیا حکمت ہے ؟ یہی نہیں بلکہ آپ نے یہ بھی کبھی سنا ہے کہ کوئی عورت اپنے بچّہ کو اٹھا کر کسی وائسرائے کے پاس لے گئی ہو، پورے ہندوستان کا وائسرائے، کہ بچّے کو ذرا دم کر دیں، مقام غور ہے، اس گئے گزرے زمانے میں بھی اللہ نے اس بڑھیا کے دل میں حق بات ڈال دی، اور اسے سمجھا دیا کہ یہ ہاتھ اور ہاتھوں سے ممتاز ہے۔ یہ علم اللہ نے اس کے سینہ میں ڈالا۔ کہ یہ علم والے کا ہاتھ ہے، اس میں خاص برکت ہے، وہ لا علم کا ہاتھ ہے، اللہ جسکو اونچا کرے اسکو کون ذلیل کر سکتا ہے۔

انسانی قوی کو اعتدال میں رکھنا حسن سیرت ہے

خیر ! روح کی خوبصورتی اس میں ہے کہ انسان کے اندر جو میلان ہے، وہ ایک انداز سے اور اعتدال میں رہے۔ ایسا کہ ضروری چیزوں کی طلب نہ چھوڑے اور حرام کی طلب نہ کرے۔ یورپ کی ناک ہے، گز لمبی ہوگئی کہ حد سے تجاوز کرنے لگی اور بعض نام نہاد متوکلین بلکہ معطلین نے حلال چیزوں کی طلب بھی چھوڑ دی۔ اپنی خواہش نفس

کو اتنا گم کر دیا، کہ ان کی روح اعتدال پر نہ رہی۔ حالانکہ طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ۔ کسب حلال فرائض کی ادائیگی کے بعد ایک اہم فریضہ ہے، جو ہر مسلمان پر فرض ہے۔ قوتِ غضبیہ بھی اعتدال سے، حد سے آگے نہ بڑھے۔

انسانیت کا سب سے بڑا قاتل امریکہ ہے۔ اس شیطان نے پہلے کوریا میں کشت و خون کیا، اب ویٹنام میں نابالغ بچے بچیوں اور عورتوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہا ہے، امریکی درندے اتنا ظلم ڈھا رہے ہیں، کہ اگر آج اللہ کی عدالت قائم ہو جائے اور ظالموں کی فہرست تیار کی جائے تو سب سے زیادہ انسانیت کے قاتل یہی نکلیں گے۔ یہ قوتِ غضبیہ کی بے اعتدالی ہے۔ غصہ کی طاقت بے جا صرف ہو رہی ہے، دین و ایمان، جان و مال، ملک و وطن، عزت و ناموس بچانے کی خاطر غصہ کو استعمال کرنا۔ یہ اعتدال ہے۔ امریکہ ان میں سے کسی ایک کیلئے بھی نہیں لڑتا۔ وہ تو سراسر ظلم کرتا ہے۔

نئی تہذیب کے ہولناک نتائج اور دعویٰ یہ ہے کہ ہماری تہذیب سیکھو، ہم بڑے مہذب ہیں۔ ۱۴ء کی تو پرانی جنگیں ہیں، یہ اب ۳۹ء کی جنگوں کے بعد مغربی جرمنی میں یہ مجلس مشاورت اس فیصلہ کے لئے بیٹھی کہ کتنے انسانوں کی جانیں کام آئیں اور کیا خرچ آیا۔ تو فیصلہ یہ ہوا۔ کہ ان جنگوں میں چھ کروڑ انسانوں کا قیمہ کیا گیا، اور پندرہ کروڑ بے گھر ہوئے، اور ان بدمعاشوں اور شریروں نے اتنی دولت ان پر برباد کی کہ اگر کل دنیا کے انسانوں چھوٹے بچوں سے لے کر بوڑھے تک کی ۲/۱ سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی جاتی تو ایک سو سال تک نہ ختم ہوتی۔ یہ انہوں نے چار سال میں ختم کر دی۔ یہ ہیں دنیا کے سب سے بڑے عقلاء، اب بھی یورپ میں ۵۲ ارب روپیہ سالانہ سگریٹ پر خرچ کیا جاتا ہے، جس سے پاکستان کے دس کروڑ مسلمان سینکڑوں برس تک چین کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ سگریٹ پینا، نوٹوں کے جلانے کے مترادف ہے۔ بچہ اگر نوٹ کو جلائے تو باپ اسکو ایک تھپڑ رسید کرتا ہے، کہ بیوقوف پاگل اتنی تمیز نہیں۔ تو بچے کو بھی حق پہنچتا ہے کہ ایسے لوگوں کو دو رسید کر دے، کہ تو خود پاگل ہے، میں تو صرف نوٹ جلاتا ہوں اور تم اس کا سگریٹ بنا کر پیتے ہو، بھائی سگریٹ نوٹوں ہی سے تو ملتے ہیں، ویسے تو نہیں ملتے۔ انگریز نے پہلے چائے اور تمباکو مفت تقسیم کیا، کہ ان کو جب نشہ چڑھے گا تو خود بخود منگوائیں گے اور ان کی دولت میرے ہاتھ آئے گی۔ بے غیرت انگریز خبیث سے دشمنی نہیں کرتے، جس نے جہاں ہاتھ پہنچا اسکو ذلت کے گڑھے میں دھکیلنے کی کوشش کی، اور

ملّا، مولوی اور دین سے دشمنی کرتا ہے، کہ اس نے انہیں برباد ہونے سے بچایا۔ ابلیس نے اپنی ذریت کو سمجھایا کہ افغانستان ابھی باقی ہے۔ اسکی جڑیں بھی کھوکھلی کرنی چاہئیں (یہ اسوقت کی بات ہے۔ اب تو ماشاءاللہ وہ بھی کم نہیں) مغربیّت کی زد سے محفوظ ہے۔ ابلیس تو چونکہ پرانا تجربہ کار، کہنہ مشق ہے۔ ڈھنگ بتاتا ہے کہ ملّا کو نکالو دین خود نکل جائے گا۔ دین نکل گیا تو پھر اپنا گھر سمجھو، جو چاہو کرو۔

جب علی گڑھ نیا نیا بنا تو لاہور کے ایک وکیل صاحب جو غالباً سب سے پہلے وکیل تھے، ان سے پہلے کوئی نہ تھا، اگر ہُوا بھی تو ان کا ساتھی ہی ہوگا، ان سے پہلے کا نہیں۔ اس وقت وکالت بھی ایمانیات کے ساتھ وابستہ تھی، سرسید کو ملنے گئے تو سرسید نے پوچھا کہ آپ کا میرے متعلق کیا خیال ہے، کیا رائے ہے ۔؟ وکیل صاحب نے کہا ان باتوں کو چھوڑیئے میں آپ سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔ کوئی اور بات کیجئے۔ سرسید نے اصرار کیا اور رائے کے اظہار کے لئے بار بار کہا۔ تو وکیل صاحب نے کہا، میری تو یہ رائے ہے کہ اگر دس بجے مجھے حکومت ملے تو دس بجکر پانچ منٹ پر آپ کا سر قلم کر دوں۔ سرسید کہنے لگا تم بڑے متعصب ہو! یہ متعصب کا لفظ مستشرقین یورپ استعمال کیا کرتے ہیں۔ دین کے خلاف کتابیں لکھیں اور تم اعتراض کرو تو اس کا نام رکھ دیا، مذہبی جنون اور تعصب، بیوی پر کوئی ہاتھ ڈالے، وہاں مدافعت ضروری۔ گدھے کو ہاتھ لگائے تو مدافعت ضروری۔ بلکہ کوئی لوٹا اٹھائے تو مدافعت ضروری ــــ ایمان ہی ایک ایسی چیز ہے کہ اس پر کوئی ہاتھ ڈالے تو مدافعت کو عصبیت کا نام دیا جائے۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ عصبیت حدود کے اندر روح کا تقاضا ہے، ایمان ہمارا ہے، ہم اس سے ایک انچ نہ ادھر ہونگے نہ اُدھر ہوں گے۔ خود سمٹ کر پہاڑ کی طرح رہو، پست مت ہو۔ یورپ کی ہوا تیز شعلہ بیباک ہے، انہوں نے قوتِ غضبیہ کو بے جا استعمال کیا۔ روح کا یہ نقشہ کہ کوئی مارے پیٹے اور آگے سے نہ بولو۔ یہ بھی ناقص روح ہے۔ کہ جا استعمال کی جگہ وہاں بھی استعمال نہ کیا۔ کہ کسی نے گالی دی تو بھی نہ بولا۔ چاہیئے یہ تھا کہ گالی دینے والے کو جوتا مارتے۔

امام شافعیؒ جن کے مقلد جنید بغدادیؒ، پیران پیرؒ جیسے بزرگ ہیں کہ جسکو غصہ دلایا جائے اور اسے غصّہ نہ آئے وہ گدھا ہے، ہاں! جائز طور پر ہو، ناجائز نہ ہو۔ موقعہ محل پر ہو، بے جا نہ ہو۔ افراط، تفریط۔ کمی، زیادتی کہیں بھی مناسب نہیں۔ لمبی ناک بھدّی معلوم

ہوتی ہے، بالکل چھوٹی ہو یہ اور بھی معیوب ہے۔

عقل کا اعتدال | عقل کا بھی خاص اندازہ، ایک صحیح استعمال ہے، اس میں بھی تناسب واعتدال حد درجہ ضروری ہے، کم عقلی تو عام ہے کہ اچھی نہیں۔ عقل کا حد سے تجاوز یہ بھی درست نہیں۔ نمک بڑی عمدہ چیز ہے، یہ سالن کی جان ہے، لیکن مقدار سے زیادہ ہانڈی خراب کر دیتا ہے۔ اس میں اعتدال نہ ہو تو میاں بیوی میں لڑائی بھی ہو جاتی ہے۔ ایک سیر گوشت میں پندرہ سیر آلو ڈال دینا، تناسب کے خلاف ہے، یہی مثال سمجھو عقل کی بھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، عقل اعتدال پر ہو، اسکی حکمت یہ ہے، کہ جن چیزوں کا سیکھنا ضروری ہے، وہاں عقل صرف ہو۔ جو زوائد ہیں۔ ان میں اس کا صرف بے محل و بے موقعہ ہے، موجودہ سائنسدانوں نے ایٹم بم بنایا، یہ افراط عقل ہے کہ حد سے زیادہ عقل کو استعمال کیا۔ دنیائے عالم کا سالن گندہ کرنے کے درپے ہو گئے۔ کرۂ ارضی کی ہنڈیوں میں انسانی گوشت کے ٹکڑے بھنیں گئے، یہ حد سے تجاوز ہے، یہ مقدار نمک میں زیادتی ہے، —— ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس —— شیطان نے اگر اسی ہزار جگہ پاخانہ کیا تو ان میں سے ایک فرنگی کا دماغ بھی ہے۔ جس نے گورداسپورہ ہندوؤں کو، کشمیر ڈوگروں کو دے کر ہمیں ادھر پھنسا دیا، عربوں کے سینہ پر یہود کو لا بٹھایا۔ پورے عالم اسلام میں افراتفری مچادی۔ یہ وہ زیادتی ہے جس سے اعتدال کا جنازہ اٹھ گیا۔

تحقیق یا عقل کا بے محل استعمال | بعض ہمالیہ کی چوٹی سر کرنے جا رہے ہیں، اور بعض چاند پر جا رہے ہیں۔ تمہارے سینہ میں دل ہے، کھوپڑی میں دماغ ہو۔ اسکو جگہ پر استعمال کرو۔ اللہ کی زمین کو تو گندہ کر دیا۔ اب آسمان کو گندہ کرنے جاتے ہو، وہاں پاخانہ کرتے ہو۔ اس کا نام انہوں نے تحقیق رکھا ہے، یہ تحقیق نہیں تمہارے عقلوں کی تذلیل ہے، مقصود سے ہٹ کر غیر ضروری چیزوں میں پڑ گئے۔ مولوی سائنس کا مخالف نہیں، سائنس علم کا نام ہے، ہر علم سیکھنے کی اسلام میں اجازت ہے، واعدولهم میں سب کچھ آجاتا ہے۔ تم سے وہ کالا مسلمان محمد علی کلے مکہ بازی میں کیوں بازی لے گیا، لاؤ کسی باپ کو جو اس کا مقابلہ کرے ——
زمین والوں کا مقابلہ کر لو۔ پھر آسمان پر جانا۔ اب ان کا دیوس پن دیکھو کہ قانون کی زد میں لاکر اس نڈر مسلمان کو زیر کرنا چاہتے ہیں، اور عالم اسلام کا دل مجروح کر کے اپنی نااہلی کا ثبوت دیتے ہیں۔ آج ہم بھی انگریز کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ ہم محمدی نہیں بنتے، فرنگی بنتے ہیں۔ پھر ہماری عقلیں کیسے تناسب پر رہیں ——

تحریر: علامہ محمد اسد (جرمنی حال متوطن مراکش)

ترجمہ: محمد معین خاں بی۔اے (عثمانیہ)
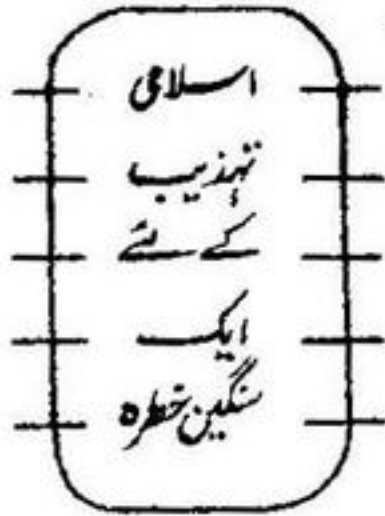
تقلیدِ مغرب

ایک اخلاقی اور ثقافتی روگ

آج جو مسئلہ مسلمانوں کو درپیش ہے وہ ایک ایسے مسافر کا مسئلہ ہے جو ایک دوراہے پر پہنچ گیا ہے۔ یا تو وہ اپنی جگہ کھڑا رہ جائے آگے قدم نہ بڑھائے۔ اس صورت میں وہ فاقوں کی موت مرجائے گا۔ یا وہ اس راہ پر چل پڑے جس پر اس عبارت کی تختی لگی ہے "مغربی تہذیب کی طرف" اس صورت میں اسے اپنے ماضی کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دینا ہوگا۔ یا وہ دوسری راہ اختیار کرے جس پہ اس عبارت کی تختی لگی ہے "صداقت اسلام کی طرف"۔ یہی اور صرف یہی وہ راہ ہے جو ان لوگوں کے قلب و دماغ کو اپنی طرف کھینچتی ہے جو اپنے ماضی پر اور اس ماضی کے ایک زندہ مستقبل کی صورت میں مبدل ہو جانے کے امکان پر یقین رکھتے ہیں ــــــ

★

مسلمانوں کا انفرادی اور اجتماعی طور پر مغربی طرزِ زندگی کی تقلید کرنا بلا شبہ اسلامی تہذیب کی بقا یا احیاء کے لئے سب سے بڑا سنگین خطرہ ہے۔ اس ثقافتی روگ ــــ اس کے سوا کوئی دوسرا نام تجویز کرنا ممکن نہیں ــــ کا سلسلہ کئی قرن پیچھے سے شروع ہوتا ہے، جبکہ مسلمانوں نے مغرب کی مادی طاقت اور ترقی کو دیکھا، اپنے معاشرہ کی افسوسناک حالت کے ساتھ اس کا موازنہ کیا اور یاس کے شکار ہو گئے۔ یہ سلسلہ اسی مایوسی سے مربوط ہے۔

ایک غلط تصور اسلام کی سچی تعلیم سے مسلمانوں کی عدم واقفیت کی بنا پر یہ تصور پیدا ہوا کہ مسلمان ما بعد دنیا کی ترقی کا اس وقت تک ساتھ نہیں دے سکتے جبتک کہ وہ مغرب کے سماجی اور

معاشی ضابطوں کو اپنا نہ لیں۔ اس وقت دنیائے اسلام پر ایک جمود طاری تھا۔ بہت سے مسلمانوں نے یہ سطحی نتیجہ اخذ کر لیا کہ چونکہ اسلام کا نظامِ معاشرت و اقتصادیات ترقی کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہے۔ اس لئے اس میں مغربی خطوط پر ترمیم ہونی چاہیئے، ان "روشن خیالوں" نے یہ معلوم کرنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی کہ آخر اسلام پر مسلمانوں کے تنزل و انحطاط کی ذمہ داری کس حد تک عائد ہوتی ہے۔؟ اور نہ اسلام یعنی قرآن و حدیث کے حقیقی اندازِ فکر و عمل کی تحقیق و تفحص ہی کے لئے وہ کوئی وقت نکال سکے۔ وہ تو صرف اتنا ہی بتلا سکے کہ اکثر صورتوں میں معاصر فقہاء کی تعلیم ہی ترقی اور مادی تحصیل کی راہ میں رکاوٹ بنی رہی۔ بجائے اس کے کہ یہ لوگ اسلام کے اصل سرچشموں کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتے، انہوں نے چپ چاپ شریعت اور مروجہ روایات و رسوم دونوں کو ایک سمجھ لیا۔ اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ شریعت کیساتھ اپنی عملی دلچسپی سے بے تعلق ہوتے چلے گئے اور اسے تاریخ کے کھنڈروں اور علم کتابی کے ویرانوں میں دھکیل دیا۔ پھر تو انہیں مسلمانوں کے تنزل و انحطاط کی دلدل سے نجات کی راہ صرف مغربی تہذیب کی تقلید ہی میں نظر آئی۔

بے شمار مسلمانوں کی طرف سے مغرب کی کورانہ داد و تحسین کے امنڈتے ہوئے طوفان کو روکنے کے لئے حالیہ زمانہ میں اگرچہ بڑی پُر فکر تصانیف منظرِ عام پر آئیں (ان میں سب سے شاندار سعید حلیم پاشا کی کتاب اسلام لشمق (ISLAMLASHMAQ) ہے جس نے بڑے فیصلہ کن انداز میں یہ ثابت کیا ہے کہ شریعتِ اسلامی ترقی جدید کی راہ میں حائل نہیں ہے، جیسا کہ حال حال تک سمجھا جاتا تھا) لیکن بہت تاخیر کے بعد۔

معذرت پسند ذہنیت ان تصانیف کی صحت بخش تاثیر کو ایک گھٹیا قسم کے معذرانہ ادب کے سیلاب نے باطل کر دیا، اس ادب نے — اگرچہ اس نے اسلام کی عملی تعلیمات سے علانیہ دست برداری کا اظہار تو نہیں کیا — یہ تبلانے کی کوشش کی کہ شریعت کو بڑی خوبی کے ساتھ مغربی دنیا کے سماجی اور معاشی تصورات کے تابع بنایا جا سکتا ہے۔ اسطرح مسلمانوں کے لئے مغربی تہذیب کی تقلید کرنے کا ظاہری جواز پیش کیا گیا اور اسلام کے انتہائی بنیادی معاشرتی اصولوں سے اس تدریجی — ہمیشہ اسلامی "ترقی" کے روپ میں — قطع تعلق کی راہ ہموار ہوگئی، جو آج سب سے زیادہ ترقی یافتہ مسلم ممالک کے ارتقاء کا پتہ دے رہی ہے۔

مغربی تہذیب کا طبعی خاصہ بعض "روشن خیال" مسلمانوں کی طرح یہ حجت کرنا تو محض عبث ہے کہ اسکی کوئی روحانی اہمیت ہی نہیں ہے کہ آیا ہم فلاں طریقہ سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یا

فلاں طریقہ سے ۔ آیا ہم یورپی لباس پہنتے ہیں یا خود اپنا آبائی لباس ۔ آیا ہم رسومات کے معاملہ میں قدامت پسند ہیں یا نہیں ۔ یہ سچ ہے کہ اسلام میں تنگ نظری کی کوئی گنجائش نہیں ہے ، جیساکہ اس کتاب کے پہلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے ، انسان جب تک مذہبی احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتا اس وقت تک اسلام اسے بیشمار ممکنات سے متمتع ہونے کی رخصت عطا کرتا ہے ۔ لیکن اس حقیقت کے قطع نظر کہ بہت سی چیزیں جو مغرب کے سماجی ڈھانچہ کے بنیادی جزو ہیں ـــ مثال کے طور پر مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل جول ، معاشی سرگرمی کی اساس کی حیثیت سے سرمایہ کا سود ـــ اسلامی تعلیمات کے قطعاً منافی ہیں ۔ مغربی تہذیب کا طبعی خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ انسان کے مذہبی میلان کا گلا گھونٹ دیتی ہے ۔

تہذیب کا اثر ذہنیت اور اخلاق پر | صرف سطحی قسم کے لوگ ہی یہ یقین کر سکتے ہیں کہ کسی تہذیب کے ظاہر کی تقلید اس تہذیب کی روح سے متاثر ہوئے بغیر بھی کی جا سکتی ہے ۔ تہذیب کوئی خالی پیکر نہیں ہوا کرتی ۔ بلکہ وہ تو ایک زندہ توانائی ہوتی ہے ۔ جس لمحہ ہم کسی تہذیب کا پیکر اختیار کرنے لگتے ہیں تو اسکی خلقی لہریں اور محرک موثرات ہمارے وجود کے اندر اپنا کام کرنے لگتے ہیں ۔ اور بڑی آہستگی کے ساتھ اور ٹھوس طریقہ سے ہمارے پورے ذہنی رویہ کو اپنے انداز میں متشکل کرنا شروع کر دیتے ہیں ۔

حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث اس تجربہ کا ایک مکمل خاکہ ہے : مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ۔ جس کسی نے دوسری قوموں کی شباہت اختیار کی وہ انہی میں کا ہو گیا ـــ (مسند ابن حنبل ، سنن ابی داؤد) یہ مشہور حدیث نہ صرف ایک اخلاقی اشارہ ہے ۔ بلکہ ایک واقعیت پسندانہ بیان بھی جس میں اس امر کی وضاحت ملتی ہے کہ اگر مسلمان کسی غیر تہذیب کے ظاہر کی بھی تقلید کرنے لگیں گے تو انہیں وہ تہذیب لازماً اپنے اندر مدغم کرے گی ۔

فیشن عقلی اور اخلاقی رجحانات کا آئینہ دار ہوتا ہے ۔ | اس بارہ میں سماجی زندگی کے "اہم" اور "غیر اہم" پہلوؤں کے مابین کوئی بنیادی فرق مشکل ہی سے ملے گا ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تقلید کے معاملہ میں کوئی بھی چیز غیر اہم نہیں ہوتی ۔ یہ فرض کر لینے سے بڑھ کر کوئی غلطی نہیں ہو سکتی کہ لباس ، مثال کے طور پر ، ایک خالص خارجی چیز ہے ، اس لئے انسان کی عقلی اور روحانی ذات پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا ۔ لباس بالعموم ایک مخصوص سمت میں کسی قوم کے مذاق کے فروغ مدت ہائے دراز کا ماحصل ہوتا ہے ۔ اس کا فیشن اس قوم کے جمالیاتی تصورات نیز اس کے رجحانات کا آئینہ دار

ہوتا ہے۔ یہ ان تغیرات کے بموجب وضع ہوتا۔ اور انہی تغیرات کے مطابق اسکی شکلیں بدلتی رہتی ہیں جن میں سے اس قوم کا کردار اور اس کے رجحانات گذرا کرتے ہیں۔

آج کے یورپی فیشن ہی کی مثال لے لیجئے۔ یہ فیشن یورپ کے عقلی اور ذہنی رجحانات کا پورا پورا آئینہ دار ہے۔ ایک مسلمان یورپی لباس پہن کر غیر شعوری طور پر اپنے مذاق کو یورپی مذاق کے ساتھ تطبیق دے لیتا ہے اور اپنی عقلی اور اخلاقی ذات کو کچھ اس طرح بدل دیتا ہے کہ وہ مآل کار اس نئے لباس کے ملئے موزوں ہو جاتی ہے۔ اپنے اس عمل سے یہ مسلمان اپنی ہی قوم کے جمالیاتی اقدار سے اس کے مرغوبات و نامرغوبات سے بھی بے تعلق ہو جاتا ہے۔ اور عقلی و اخلاقی غلامی کی اس وردی کو قبول کر لیتا ہے جو ایک اجنبی تہذیب کی بارگاہ سے اسکو عطا ہوتی ہے۔

یورپی طرز معاشرت یا عقلی و اخلاقی غلامی کی وردی | جب کوئی مسلمان یورپی زندگی کی وضع قطع، آداب و اخلاق اور لباس و پوشاک کی تقلید کرنے لگتا ہے تو وہ گویا یورپی تہذیب کے بہتر و بالاتر ہونے کا اظہار کرتا ہے۔ کسی اجنبی تہذیب کی روح کے استحسان (APPRECIATION) کے بغیر اسکی عقلی اور جمالیاتی وضع کی تقلید کرنا تو عملاً ناممکن ہے۔ بالکل اسی طرح کسی ایسی تہذیب کی روح کے استحسان کے ساتھ ساتھ جو مذہبی نظریہ حیات کی قطعاً مخالف ہو۔ ایک اچھے مسلمان کی طرح زندگی بسر کرنا بھی عملاً ناممکن ہے۔

احساس کمتری کی علامت | اجنبی تہذیب کی تقلید کا رجحان احساس کمتری کا ثمرہ ہوتا ہے۔ یہی اور صرف یہی معاملہ ان مسلمانوں کے ساتھ ہے، جو مغربی تہذیب کی تقلید کر رہے ہیں۔ وہ اس تہذیب کی قوت، فنی مہارت اور ظاہری طمطراق کا موازنہ عالم اسلام کی افسوسناک حالت کے ساتھ کرتے ہیں اور یقین کرنے لگتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں مغربی طریق کے سوا اور دوسرا طریق ہی نہیں ہے۔ اپنی ہی خامیوں کے لئے اسلام کو مورد الزام قرار دینا تو زمانہ کا شعار بن گیا ہے۔ ہمارے نام نہاد دانشور زیادہ سے زیادہ معذرانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں، اپنے آپ کو اور دوسروں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام مغربی تہذیب کے ساتھ قابل تطبیق ہے۔

احیاء دین کیلئے غیرت اور خودداری لازمی ہے | احیائے دین کے لئے مسلمان کو چاہیئے

کہ اصلاح کا کوئی بندوبست کرنے سے پہلے اس معذرانہ جذبہ سے اپنے تئیں بالکلیہ آزاد کرلیں جو انہوں نے اپنے دین کے ساتھ اختیار کر رکھا ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ غیرت و خودداری کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ اسے اس امر کا پورا پورا احساس ہونا چاہیئے کہ اس کی ذات ماسِوائے دنیا سے متمیز و مختلف ہے۔ اسے چاہیئے کہ اپنے مختلف ہونے پر فخر کرنا سیکھے۔ اسے چاہیئے کہ اس فرق و اختلاف کی ایک گراں بہا وصف کی طرح حفاظت و حیانت کرے۔ اور دنیا کے سامنے اس کا دلیری سے اعلان کرتا رہے ـــــ بجائے اس کے کہ اس کے متعلق معذرت پیش کرتا پھرے اور دوسرے ثقافتی حلقوں میں مدغم ہونے کی کوشش کرتا رہے۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ مسلمان خارج سے آنے والی صداؤں سے اپنے تئیں بالکل ہی بے تعلق رکھیں ان پر کوئی کان ہی نہ دھریں۔ اپنی تہذیب کو مضرت پہنچائے بغیر اجنبی تہذیب سے ایجابی موثرات ہمیشہ اخذ و قبول کئے جا سکتے ہیں۔ اس قسم کی مثال ہمیں یورپی نشاۃ ثانیہ میں ملتی ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یورپ نے آموزش کے مواد و منہاج میں عربوں کے اثرات کس مستعدی کے ساتھ قبول کر لئے تھے۔ لیکن یورپ نے عربی ثقافت کی ظاہری وضع اور ثقافت کی روح کی تقلید کبھی نہیں کی اور نہ اپنی عقلی اور جمالیاتی خودمختاری کو کبھی قربان کیا۔ یورپ نے اپنے زمانہ میں ہیلاتیاتی اثبات استعمال کئے تھے۔ ان دونوں صورتوں میں یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ایک ایسی طاقتور ملکی تہذیب پروان چڑھتی گئی جو فخر و خود اعتمادی سے بھرپور تھی۔ اس فخر کو کھو کر اور اپنے ماضی سے رشتہ ناتہ توڑ کر کوئی تہذیب نہ صرف پھل پھول ہی نہیں سکتی بلکہ اپنا وجود بھی باقی نہیں رکھ سکتی۔

دنیائے اسلام کی ذہنی اور سماجی غفلت | لیکن دنیائے اسلام کا یہ حال ہے کہ یورپی تہذیب کی تقلید کرنے اور مغربی تصورات و خیالات کو جذب کرنے کی طرف اپنے بڑھتے ہوئے میلان کے ساتھ ان بندھنوں کو تدریجاً توڑتی چلی جا رہی ہے جو اسے اپنے ماضی سے جوڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ نہ صرف ثقافتی اعتبار ہی سے پسپا ہوتی جا رہی ہے بلکہ روحانی اعتبار سے بھی۔ اس کی مثال اس درخت کی سی ہے جو اس وقت تک مضبوط تنا ور رہا جب تک اس کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں پیوست تھیں۔ لیکن مغربی تہذیب کے کوہستانی دھارے نے مٹی کا ایسا صفایا کیا کہ یہ جڑیں اوپر کو نکل آئیں۔ درخت قلت غذا کی وجہ سے آہستہ آہستہ کمزور و ناتواں ہوتا جا رہا ہے۔ اسکی پتیاں جھڑتی اور ٹہنیاں سوکھتی جا رہی ہیں۔ اب تو اس کا ایک تنا ہی باقی رہ گیا ہے جس کے گر پڑنے کا خطرہ ہر آن لگا ہوا ہے۔

پھر تو مغربی دنیا نے اسلام کو اس ذہنی اور سماجی غفلت سے بیدار کرنے کا صحیح ذریعہ ہرگز نہیں ہو سکتی جو اس انحطاط نے طاری کر رکھی ہے جس نے ایک عملی مذہب کو ایک رواج محض کے مرتبہ پر گرا دیا ہے۔ پھر مسلمان اپنے لئے روحانی اور عقلی تہیج و تشویق کہاں سے حاصل کریں جس کی انہیں آج اتنی شدید ضرورت ہے۔؟

اس کا جواب اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ سوال۔ یہ تو خود سوال کے اندر ہی موجود ہے، جیسا کہ کئی بار بتایا جا چکا ہے کہ اسلام نہ صرف "دل کا عقیدہ" ہی ہے بلکہ انفرادی اور سماجی زندگی کا ایک نہایت ہی واضح اور معروف نظام بھی ہے، اگر اس کو ایک ایسی اجنبی تہذیب میں مدغم کر دیا جاتا ہے جس کی اخلاقی بنیادیں سرتاسر مختلف ہوں تو یہ بالکل ہی برباد ہو جائے گا۔ لیکن اگر اسے دوبارہ اپنے منصب صداقت پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ اور ایک ایسے عامل کی قدر عطا کر دی جاتی ہے جو ہمارے شخصی اور سماجی وجود کے تمام پہلوؤں کو متعین و متشکل کرتا ہے، تو پھر اس میں ایک نئی زندگی پیدا ہو سکتی ہے۔

نئے تصورات اور متصادم ثقافتی لہروں کے زیر اثر جو اس دور کی مخصوص خصوصیت ہیں، جس میں ہم رہ رہے ہیں، اسلام ایک خالی ہیکل کی حیثیت سے زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہ سکتا۔ اس پر سے صدیوں کی نیند کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ اب تو اس کے لئے صرف دو ہی صورتیں ہیں، یا تو وہ خواب سے بیدار ہو جائے یا موت سے ہمکنار ہو جائے۔

آج جو مسئلہ مسلمانوں کو درپیش ہے وہ ایک ایسے مسافر کا مسئلہ ہے جو ایک دوراہے پر پہنچ گیا ہے، یا تو وہ اپنی جگہ کھڑا رہ جائے، آگے قدم نہ بڑھائے۔ اس صورت میں وہ فاقوں کی موت مر جائے گا۔ یا وہ اس راہ پر چل پڑے جس پر اس عبارت کی تختی لگی ہے "مغربی تہذیب کی طرف" اس صورت میں اسے اپنے ماضی کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دینا ہو گا۔ یا وہ دوسری راہ اختیار کرے جس پر اس عبارت کی تختی لگی ہے۔ "صداقت اسلام کی طرف" یہی اور صرف یہی وہ راہ ہے جو ان لوگوں کے قلب و دماغ کو اپنی طرف کھینچتی ہے، جو اپنے ماضی پر اور اس ماضی کے ایک زندہ مستقبل کی صورت میں متبدل ہو جانے کے امکان پر یقین رکھتے ہیں۔

خاندان | مولانا فضل حق کے جدِ امجد بہاء الدین اپنے بھائی شمس الدین کے ہمراہ ہندوستان آئے، شمس الدین رُہتک کی مجلسِ افتاء پر رونق افروز ہوئے اور بہاء الدین قاضیٔ بدایونی کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ شمس الدین کی اولاد میں امام الہند شاہ ولی اللہؒ جیسے فخرِ روزگار نے جنم لیا اور بہاء الدین کی نسل میں فضل حق خیرآبادی جیسے مجاہدِ آزادی نے نام پیدا کیا۔ سرزمینِ ہند میں یہ خاندان اپنی تابندہ روایات کے طفیل علمی وجاہت اور مذہبی سیادت کا حامل تھا۔ اسی مسندِ درس وارشاد کا وارث فضل حق وقت آنے میں میدانِ جہد وجہاد میں کود پڑا۔

مولوی رحمٰن علی نے انہیں عمری، حنفی، ماتریدی اور چشتی کے القاب سے یاد کیا ہے۔[1] یعنی مولانا کا نسب خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ مولانا عبدالشاہد خان شروانی مقدمہ نگار "الثورۃ الہندیہ" کی رائے کے بموجب ۳۳ واسطوں کے ذریعے یہ سلسلۂ نسب قائم ہوتا ہے[2] فقہی مسلک کے لحاظ سے حنفی ہیں۔ کلامی مسائل میں ماتریدی نقطۂ نگاہ کے حامل ہیں اور تصوف میں چشتی سلسلے سے منسلک ہیں۔ انہوں نے دھومن شاہ دہلوی سے بیعت کی تھی۔

مولانا فضل حق کے والد فضل امام دہلی میں "صدر الصدور" کے عہدے پر فائز تھے۔ ابتدائی تعلیم ان سے ہی حاصل کی، شاہ عبدالقادر محدث دہلوی سے حدیث کا درس لیا۔[3] عبدالشاہد خان

۱؎ تذکرۂ علماء ہند ص ۱۶۴، ۲؎ الثورۃ الہندیہ، مقدمہ، ص ۱۲، ۳؎ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۶۴

کے خیال میں شاہ عبدالعزیز سے بھی فیض اٹھایا۔[۱] ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ء) میں پیدا ہوئے اور تیرہ برس کی عمر میں علوم مروّجہ میں عبور حاصل کر لیا۔ ان کے ہم درسوں میں مفتی صدرالدین آزردہ کا نام خاصی شہرت کا حامل ہے۔ اس دور کا ذکر کرتے ہوئے عبدالشاہد خان لکھتے ہیں کہ مولانا فضل حق درس لینے رئیسانہ ٹھاٹ باٹ سے جایا کرتے تھے۔ اس سے ان کی امارت اور ناز و نعم کا پتہ چلتا ہے۔ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ چار ماہ اور کچھ دنوں میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔[۲]

عبدالشاہد خان نے ایک روایت بیان کی ہے کہ تحفۂ اثنا عشریہ (سن تالیف ۱۷۸۹-۹۰ء) کی اشاعت پر ایران سے باقر داماد صاحب افق المبین کے خاندان کا ایک جید عالم شاہ صاحب سے مناظرے کی غرض سے دہلی آیا۔ شاہ صاحب نے مہمان کی شب گزاری کا سامان کر دیا۔ شام کے وقت فضل حق مہمان کے ہاں گئے۔ رسمی علیک سلیک کے بعد علمی بحث شروع ہو گئی۔ مولانا نے "افق المبین" پر اعتراضات کئے جن کا جواب ایرانی عالم سے نہ بن پڑا۔ پھر خود ہی ان اعتراضات کو رفع کیا۔ اس لڑکے سے وہ جیّد عالم اسقدر متاثر ہوا کہ مناظرے کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔[۳] سوچا کہ جس شخص کے شاگردوں کی ذہانت و مہارت کا یہ عالم ہے وہ خود کس درجے کا ہوگا۔

مدارس اسلامیہ میں قدیم سے یہ خیال چلا آتا ہے کہ جب تک پڑھا ہوا پڑھایا نہ جائے علم میں پختگی نہیں آتی۔ چنانچہ مولانا فضل حق نے بھی درس و تدریس کا شغل اختیار کر لیا۔ مولوی رحمٰن علی لکھتے ہیں کہ ایک بار لکھنؤ میں مولانا کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ دیکھا کہ حقہ پی رہے تھے اور شطرنج بھی کھیل رہے تھے۔ ساتھ ساتھ ایک طالب علم کو "افق المبین" کا درس بھی دے رہے تھے۔ اور تمام مطالب بڑی خوبی سے بیان کرتے جا رہے تھے۔[۴]

چودہ پندرہ کا سن تھا کہ درس و تدریس شروع کی۔ مولانا فضل امام نے ایک کند ذہن خاصی عمر کا طالب علم ان کے حوالے کر دیا۔ اسے تھوڑا سا سبق پڑھایا اور پھر کتاب اٹھا کر پھینک دی۔ اس پر وہ طالب علم مولانا فضل امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کیفیت عرض کی۔ چنانچہ مولانا فضل حق بلائے گئے۔ مولانا فضل امام نے اس زور سے تھپڑ مارا کہ دستارِ فضیلت دور جا پڑی اور غیض آلود انداز میں فرمایا:

"تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا، ناز و نعم میں پرورش پائی جس کے سامنے

---

[۱] الثورۃ الہندیہ ص ۲۹ و ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ محرم ۱۳۸۰ھ مضمون سراج الہند۔ [۲] الثورۃ الہندیہ ص ۳۳-۳۴
[۳] ایضاً [۴] تذکرہ علمائے ہند۔

کتاب رکھی اس نے خاطر داری سے پڑھایا۔ طلبہ کی قدر و منزلت تو کیا جانے اگر مسافرت کرتا۔ بھیک مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی۔ طالب علم کی قدر ہم سے پوچھیے[1]

یہ سلسلۂ تعلیم ۵۳ برس کی عمر تک جاری رہا، جیساکہ مولوی رحمٰن علی کی ملاقات سے واضح ہوتا ہے۔

ملازمت اور خودداری | والد کے انتقال کے وقت مولانا کی عمر اٹھائیس[2] سال تھی ــــ اکبر شاہ ثانی کا دور تھا کہ دہلی میں ریزیڈنٹ بہادر کے دفتر میں سررشتہ ہو گئے۔ مولانا نازک مزاج اور خوددار واقع ہوئے تھے، لیکن اس ملازمت میں عزت و احترام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چنانچہ استعفیٰ دے کر اس ناگوار ماحول سے جان چھڑا لی۔ نواب فیض محمد خان والی جھجر نے پانصد روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا اور بصد قدر و منزلت اپنے ہاں بلا لیا۔ دہلی سے روانہ ہوتے ہوئے ابوظفر بہادر (جو اس وقت ولی عہد تھے) سے ملاقات ہوئی۔ ابوظفر نے اپنا خاص دوشالہ اڑھایا اور بچشم پُرنم کہا:

"ہر گاہ شما می گوئید کہ من رخصت می شوم مرا جز ایں کہ بیدلرم گریہ نیست اما ایزد داناکہ لفظ وداع، ازدل بزبان نمی رسد الا الابصار جز تقیل۔"

جھجر کے بعد الور میں دو سال تک کسی بڑے عہدے پر فائز رہے۔ اس کے بعد نواب ٹونک کے ہاں بھی قیام کیا۔ بعد ازاں نواب یوسف علی خان والی رامپور نے بلا لیا، اور پہلے محکمۂ نظامت اور پھر مرافعہ عدالتین پر مامور کیا[5] نواب یوسف علی خان اور نواب کلب علی خان نے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ آٹھ برس تک رامپور میں قیام کے بعد لکھنؤ چلے گئے۔ یہاں پہلے صدر الصدور بنائے گئے، اور جب ایک کچہری "حضور تحصیل" کے نام سے وجود میں آئی تو اس کے مہتمم قرار پائے[6] آخر گڑھی ہنومان (متصل اجودھیا۔ فیض آباد) کے المیہ سے متاثر ہو کر ملازمت چھوڑ دی۔ واقعہ یوں ہے کہ نے مسجد میں اذان سے روک دیا۔ اگر کوئی مسلمان مسجد میں جانکلتا اور اذان کہتا تو مار پیٹ کر نکال دیا جاتا۔ ۱۳ ذی قعدہ ۱۲۷۱ھ (جولائی ۱۸۵۵ء) کو شاہ

---

[1] الثورۃ الہندیہ ص ۱۹۴ ۔ [2] کلیات نثر غالب فارسی [3] انتخاب یادگار۔ امیر مینائی
[4] ۱۸۵۷ء کے مجاہد ص ۱۳۰۔

غلام حسین اور مولوی محمد صالح اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر بنوباں گڑھی گئے۔ پیراگیوں سے مقابلہ ہوا مسجد میں دو سو انہتر مجاہدین شہید ہو گئے۔[۱] کسی نے تاریخ کہی ہے

پیٹھے سال کم چوں ہمت بست ملہم غیب گفت یافت شکست

دوسری روایت یہ ہے کہ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی قیام لکھنؤ کے دوران میں ان سے ملے تھے اور مولانا نے احمد اللہ شاہ کے کہنے پر ملازمت چھوڑ دی۔[۲] اور الور چلے گئے۔

مولانا کی علمی زندگی مولانا ایک کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور رئیسوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ بچپن میں سبق پڑھنے کے لئے بھی ہاتھی اور پالکی میں جاتے تھے۔ جفاکشی سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ علمی و تدریسی شوق کی بدولت البتہ ان کا شمار علماء کے گروہ میں ہونے لگا تھا، لیکن افکار و خیالات اور اعتقادات کی بناء پر ان کی حیثیت کوئی زیادہ پُروجاہت نہ تھی۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی "تقویت الایمان" کی ایک عبارت پر امتناع نظیر خاتم النبیین اور امکانِ نظیر کی بحث چھیڑ دی۔ غالب سے چونکہ مولانا فضل حق کے تعلقات دوستانہ تھے، لہٰذا اس بحث میں غالب کو بھی گھسیٹ لیا۔ اگرچہ غالب کو ان مسائل سے بقول حالی کوئی دلچسپی نہ تھی، لیکن دوستداری کی خاطر اشعار مثنوی لکھ دئے۔[۳]

مولانا غالب کے گہرے دوست تھے کیونکہ طرفین میں اشتراکِ مذاق پایا جاتا تھا۔ مولانا شعر فہم بھی تھے اور غالب کی طرح شطرنج سے بھی دل بہلایا کرتے تھے، ان حالات کو دیکھتے ہوئے کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ مولانا فضل حق ایک دن تن آسانی کو چھوڑ کر یک لخت جہد و جہاد میں کود پڑیں گے۔

تصانیف مولانا نے گوناگوں مشاغل کے باوجود تصانیف کی خاصی مقدار چھوڑی ہے

۱۔ الجنس العالی شرح جواہر المعالی
۲۔ شرح افق المبین
۳۔ حاشیہ تلخیص الشفاء
۴۔ حاشیہ شرح مسلم قاضی مبارک
۵۔ ہدیہ السعیدیہ
۶۔ رسالہ تشکیک ماہیات
۷۔ رسالہ کلی طبعی
۸۔ رسالہ علم و معلوم

---

[۱] قیصر التواریخ ج ۲ ص ۱۱۳
[۲] علماء حق اور ان کی مظلومیت کی داستانیں ص ۶۰
[۳] یادگارِ غالب۔

۹۔ روض المجود فی حقیقت وحدت الوجود　　۱۰۔ رسالہ قاطیغوریاس
۱۱۔ رسالہ تحقیق حقیقت الاجسام　　۱۲۔ الثورۃ الہندیہ (باغی ہندوستان)
۱۳۔ قصائد در فتنۃ الہند　　۱۴۔ مجموعۃ القصائد
۱۵۔ امتناع نظیر　　۱۶۔ تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغوی[1]

مولانا ویسے تو علم وفضل کے دریا تھے، لیکن عربی ادب اور معقول میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔[2] "علمائے ہند" میں "رسالہ تشکیک اور "رسالہ طبعی وکلی" کو ایک ہی رسالہ بتایا گیا ہے، مگر حقیقت یہ نہیں۔ مولانا فضل حق خیرآبادی کے شاگرد مولانا عبداللہ بلگرامی نے تصانیف کا شمار کراتے ہوئے لکھا ہے۔ "ورسالہ فی تحقیق الکلی والطبعی ورسالہ فارشیہ" فی تحقیق التشکیک" ان دونوں رسالوں کی نبائیں مجدا ہیں، اور یہ دونوں رسالے طبع نہیں ہوئے۔[3]

سخن فہمی | مولانا کے وطن خیرآباد میں شاعری کے چرچے تھے، دہلی میں آئے تو یہاں قلعہ معلی سے لیکر بخش خان کے پھاٹک تک شاعروں کے جمگھٹے تھے، غالب، صہبائی، مومن، آزردہ، نیر، نثار، شیفتہ، ممنون، نصیر اور ذوق وغیرہ آسمان شاعری کے درخشاں ستارے تھے۔ اس شاعرانہ ماحول میں یہ ناممکن تھا کہ مولانا جیسا نازک مزاج اور شاعر طبع شخص شعر نہ کہتا، عربی وفارسی دونوں زبانوں میں اشعار کہے، لیکن عربی کو نسبتاً زیادہ برتا، فارسی شاعری میں فرتیؔ تخلص کرتے تھے۔

فرتیؔ در کعبہ رفتی بارہا　　نامسلمان نامسلمانی ہنوز[4]

اردو ادب پر احسان | عربی زبان میں بیسیوں قصائد کہے ہیں —— مرزا غالب سے غایت درجے کے تعلقات تھے۔ مرزا ابتدا میں بیدل کے تتبع میں مشکل پسندی کی طرف مائل تھے اور اس مشکل پسندی نے غالب کے کلام میں غرابت پیدا کر دی تھی۔ آخر غالب نے اس قدیم اور مشکل روش کو چھوڑ کر آسان کہنے کی عادت بنائی۔ محمد حسین آزاد لکھتے ہیں، کہ

"مولوی فضل حق صاحب فاضل بے عدیل تھے۔ ایک زمانے میں دہلی میں سررشتہ دار تھے۔ اس عہد میں مرزا خان کوتوال تھے، وہ مرزا قتیل کے شاگرد

---

[1] الثورۃ الہندیہ ص ۹۶　[2] مولانا ۱۸۵۷ء کے مجاہد ص ۱۳۷　[3] مکتوب مولوی سید نجم الحسن نقوی
معارف ج ۶۰ ص ۳۹۵　[4] گلزار بہار

تھے۔ نظم و نثر فارسی اچھی لکھتے تھے، غرضیکہ یہ دونوں باکمال مرزا صاحب کے دلی دوست تھے۔ ہمیشہ باہم دوستانہ جلسہ اور شعر و سخن کے چرچے رہتے تھے۔ انہوں نے اکثر غزلوں کو سنا اور دیوان کو دیکھا، تو مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ اشعار عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے۔ مرزا نے کہا جو کچھ کہہ چکا اب تدارک کیا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا، خیر ہوا سو ہوا، انتخاب کرو اور مشکل شعر نکال ڈالو۔ مرزا صاحب نے دیوان حوالے کیا۔ دونوں صاحبوں نے دیکھ کر انتخاب کیا۔ وہ یہی دیوان ہے جو عینک کی طرح لوگ آج آنکھوں سے لگاتے پھرتے ہیں"[۱]

—— مولانا حالی لکھتے ہیں:

"مولوی فضل حق کی تحریک سے انہوں (غالب) نے اپنے اردو کلام میں سے جو اس وقت موجود تھا، دو ثلث کے قریب نکال ڈالا اور اس کے بعد اس روش پر چلنا چھوڑ دیا۔"[۲]

اردو ادب کے شیدائیوں پر مولانا فضل حق کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے غالب کو مشکل پسندی اور بے معنی طرز بیان کو چھوڑ کر سادہ کہنے کی ترغیب دی، اور غالب نے آسان کہہ کر اردو کا دامن مزید بھر دیا۔ مزید غالب کا وہ کلام جو مروجہ دیوان میں شامل نہیں ہے۔ اُسے دیکھ کر اس حقیقت کا بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ مولانا فضل حق کس قدر "گوہر شناس" تھے۔

مولانا کی سیاسی زندگی مولانا کی ابتدائی زندگی دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں سیاسی امور سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان کا مطمح نظر یہی تھا کہ اچھی زندگی بسر کریں۔ جہاں رہیں عزت سے رہیں، اور آرام و سکون کی زندگی گزار دیں۔ تفریح کی خاطر شطرنج یا شعر و شاعری سے دل بہلا لیں۔ اور علمی ذوق کی تسکین کی خاطر بچوں کو معقولات و ادب کا درس دے لیں، البتہ آخری عمر میں انگریزی اقتدار کی خرابیاں اُن پر منکشف ہوئیں اور دیدہ ور اصحاب سے مل کر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ انگریزوں کا مقصود اہل ہند کو عیسائی بنانا ہے۔ اور اسطرح اپنی حکومت کو مستحکم کرنا چاہتے ہیں یہ وہ تاثر تھا جس نے ان کے سرد خون میں جوش پیدا کر دیا، اور ٹھنڈے دماغ میں باغیانہ عزائم ابھرنے لگے اور آخر عملی سیاست میں کود پڑے۔ مولانا نے خود نوشت "الثورة الهندية" میں

---

[۱] آب حیات صہ ۵۱۲ [۲] یادگار غالب صہ ۲۰۱

مخالفت کے محرکات پر روشنی ڈالتے ہوئے مندرجہ ذیل وجوہ مخاصمت لکھے ہیں۔

۱- انگریزوں کا داعیہ تبدیل مذہب۔

۲- غلّے پر کنٹرول کرنا۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ غلّے پر خود کنٹرول کر لیا جائے۔ جب لوگوں کو خوراک نہ ملے گی تو وہ ہر حکم کی تعمیل پر مجبور ہوں گے۔

۳- احکام دین مٹانا۔ مثلاً مسلمانوں کو ختنہ سے روکنا اور پردہ نشین عورتوں کو بے پردہ کرنا۔

۴- ہندو اور مسلمان سپاہیوں کے عقائد گندے کرنا۔

جنگِ آزادی | مولانا فضل حق ۱۸۵۶ء میں لکھنؤ سے الور چلے گئے تھے۔ مئی ۱۸۵۷ء میں ہنگامہ شروع ہوا۔ مولانا اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی میں وارد ہوئے، بہادر شاہ ظفر سے گذشتہ تعلقات تھے۔ اس لئے بادشاہ سے ملنے میں انہیں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ جیون لال کے روزنامچے سے ان کی محل میں آمد و رفت معلوم ہوتی ہے، وہ خبریں دربار میں پہنچاتے رہتے تھے۔

بہادر شاہ کے مقدمے میں ذکر ہے کہ ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء کو دوسرے افراد کے علاوہ مولانا نے بھی مختلف افراد کے نام احکام لکھے، لیکن نواب زینت محل کے خوابیدہ ہونے کی وجہ سے ان پر مہریں نہ ہو سکیں، کیونکہ مہر نواب زینت محل کے پاس ہی تھی۔ ایک دوسرے مقام میں مذکور ہے کہ مولانا نے مولوی عبدالحق خان کے نام ضلع گوڑگانوہ کے مالیے کی تحصیل کے لئے فرمان لکھا اور مولانا کے ایک عزیز کو وہاں بھیجنے کا فیصلہ ہوا تھا۔[۱]

مولانا کی کتاب سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ کامیابی کے بارے میں زیادہ پُر امید نہیں تھے، وہ دیکھ رہے تھے کہ :-

۱- بادشاہ ضعیف، غم زدہ اور ناتجربہ کار ہے۔

۲- بادشاہ امور جنگ خود انجام دینے کے بجائے اپنے وزیر حکیم احسن اللہ خان اور بیگم نواب زینت محل کا محکوم تھا۔

۳- انگریزوں کا مقابلہ کرنے والی فوجیں بے سردار اور منتشر تھیں۔ ان میں کوئی رابطہ باہمی نہ تھا۔

۴- بادشاہ کے بیٹے ناتجربہ کار بزدل اور عاقبت نا اندیش تھے۔ انہیں دیانتداروں

---

[۱] مقدمہ بہادر شاہ صـ۱۶۴

اور عقل مندوں سے نفرت تھی۔

فتویٰ | مولانا دہلی پہنچے تو انہوں نے فتویٰ تیار کرنے کا مشورہ دیا۔ اور انہوں نے علماء کے نام تجویز کئے جن سے دستخط لئے گئے[1]۔ دستخط کرنیوالوں میں مولانا فضل حق کے ہم سبق مفتی صدر الدین آزردہ بھی شامل تھے۔ جن کے سلسلے میں ایک لطیف توجیہ پیش کر کے مفتی صاحب کی جان بچائی گئی۔ یہی وہ فتویٰ تھا، جو ان کے خلاف باغیانہ مقدمہ کا باعث بنا۔

دہلی سے روانگی | ۱۹ ستمبر کو شہر دہلی انگریزی فوجوں نے تاراج کر دیا۔ ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ دن بھوکے پیاسے مکان میں بند رہے۔ پھر اہل وعیال کو ساتھ لیکر رات کی تاریکی میں نکلے اور مشقتوں کے بعد بھیکن پور (ضلع علی گڑھ) پہنچے۔ وہاں اٹھارہ روز رہے پھر نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خان شروانی کے عم محترم نواب عبدالشکور خان رئیس بھیکن پور نے سانکرہ کے گھاٹ سے جو بھیکن پور سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے، دریا کے پار اتار دیا[2]۔ کچھ عرصہ روپوش رہے، عرصۂ روپوشی کے حالات پردۂ تاریکی میں ہیں۔

گرفتاری | ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو عفو عام کا اعلان ہوا۔ مولانا فضل حق بھی اس اعلان پر اعتماد کرتے ہوئے خیرآباد جا پہنچے، لکھتے ہیں:

"مجھے اس بات کا بالکل خیال نہ رہا کہ بے ایمان کے عہد و پیمان پر اعتماد اور بے دین کی قسم پر بھروسہ کسی بھی حالت میں درست نہیں۔ خاص طور پر جبکہ بے دین جزا و سزائے آخرت کا بھی منکر ہو[3]۔"

چند روز اطمینان سے گزر گئے۔ پھر دو بے ایمان اور جھگڑالو افراد نے مخبری کی اور مولانا کو اپنے مکان سے گرفتار کر لیا گیا، اور مقدمے کے لئے لکھنؤ روانہ کر دیا گیا۔

روداد مقدمہ و سزائے حبس دوام بہ عبور دریائے شور | مولانا کے مقدمے کے بارے میں ایک روایت زبان زد خاص و عام ہے کہ جب مولانا کا مقدمہ پیش ہوا تو اتفاقاً جج مولانا کا شاگرد نکل آیا۔ اس نے صدر الصدوری کے دور میں مولانا سے کچھ کام سیکھا تھا۔ وہ انہیں رہا کر دینا چاہتا تھا۔ گواہوں نے مجسٹریٹ کی مدد کی اور مولانا کو پہچاننے سے انکار کر دیا، لیکن مولانا نے برملا کہا کہ ہاں! فضل حق میں ہوں اور میں نے ہی اس باغیانہ فتویٰ پر دستخط کئے ہیں۔

---

[1] ۱۸۵۷ء کے مجاہد - مہر ص ۱۳۳ ۔ [2] الثورۃ الہندیہ ص ۱۵۸ ۔ [3] ایضاً ص ۱۶۱

اس بیان کے بعد جج مجبور تھا کہ مولانا کو سزا دے۔

بعض لوگوں نے مولانا کی معقولات میں دستگاہ کو دیکھتے ہوئے مزید داستان بنائی کہ "مولانا نے چند الزام اپنے اوپر خود ہی قائم کر لئے اور پھر ان کو تار عنکبوت کی طرح توڑ دیا۔"

لیکن یہ بیانات چنداں قابل وقعت نہیں ہیں۔ مولانا فضل حق خود نوشت میں جج کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"میرا معاملہ ایسے ظالم حاکم کے سپرد کر دیا جو مظلوم پر رحم کرنا ہی نہ جانتا تھا۔ ——— اس ظالم نے میری جلاوطنی اور عمر قید کا فیصلہ صادر کیا"[1]

مولانا کے اس ریمارک کے پیش نظر کیونکر اس داستان کو مانا جا سکتا ہے۔ مولانا مہر نے ان داستان بانیوں کو بے حقیقت قرار دیا ہے[2]

بہر حال مولانا کو حبس دوام کی سزا ہوئی اور جملہ جائداد کی ضبطی کا حکم صادر ہوا۔ جائداد ضبط ہوگئی اور مولانا کو انڈیمان روانہ کر دیا گیا۔ اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ انڈیمان کب پہنچے البتہ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ ان سے پہلے مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی مظہر کریم دریا آبادی اور کئی دوسرے علماء وہاں پہنچ چکے تھے۔

انڈیمان کی ناخوشگوار زندگی مولانا انڈیمان کی آب و ہوا کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"آب و ہوا ناموافق، پہاڑی علاقہ، اس میں دشوار گذار گھاٹیاں اور راستے، وہاں کی باد صبا لُو سے بھی زیادہ سخت، غذا حنظل سے زیادہ کڑوی، پانی سانپوں کے زہر سے بڑھ کر ضرر رساں اور اس کے سنگریزے بدن کی پھنسیاں۔"

مولانا نے یہ کوئی شاعری نہیں کی ہے، اور نہ انہوں نے اپنی خود نوشت کو ہی جاذب نظر بنانے کے لئے ایسی عکاسی کی ہے، موجودہ دور میں بھی کالا پانی کی زندگی اس سے کچھ ہی مختلف ہے۔ اور جس دور کی زندانی زندگی کا مولانا تذکرہ کرتے ہیں۔ اُس وقت تو حالات ایسے ہی ہونگے۔

اسی ناموافق آب و ہوا اور زہریلے ماحول کا اثر تھا کہ وہ کئی سخت امراض میں مبتلا ہو گئے۔ خارش کے باعث بدن زخموں سے بھر گیا تھا۔ اور ان زخموں کی ٹیسیں روح کو تحلیل کر دیتی تھیں بیان کیا جاتا ہے، کہ آغاز میں مولانا کے ذمے صفائی کی خدمت کی گئی۔ ٹوکرا اٹھائے کوڑا کرکٹ پھینکتے رہتے۔ ان کے کپڑے اتروا لئے گئے۔ تہبند اور کملی دے دی گئی تھی۔ پاؤں سے

---

[1] الثورۃ الہندیہ صفحہ ۱۷　　[2] ۱۸۵۷ء کے مجاہد صفحہ ۱۲۵

ننگے رہتے تھے۔ یہ وہ دلخراش منظر تھا جو صرف اس جرم کی پاداش میں دیکھنا پڑا کہ یہ دیوانے "اسلام" کا جھنڈا بلند کرنے کیلئے کیوں اٹھے تھے، اور انہوں نے "آزادی" کا نام کیوں لیا تھا ——

—— آخر میں مولانا کا علم و فضل کام آیا اور انہیں برائے نام محرری کا کام سونپ دیا گیا۔

وفات | مولانا کے صاحبزادے عبدالحق نے ولایت میں مرافعہ دائر کر رکھا تھا۔ وہ منظور ہوا مولانا کی رہائی کا حکم آگیا۔ صاحبزادہ انہیں لانے کے لئے انڈیمان روانہ ہوا۔ جہاز سے اترنے پر ایک جنازہ دکھائی دیا جس کے ساتھ بڑا ہجوم تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ اس غریب الدیار کا جنازہ ہے جس نے اپنے ملک کی آزادی کے لئے فتویٰ جہاد پر دستخط کئے تھے۔

۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ (۱۹ اگست ۱۸۶۱ء) کو مولانا اس جہانِ فانی سے عالمِ بقا کو روانہ ہوئے۔

مولانا عبدالشاہد خان فرماتے ہیں کہ مولانا کا مزار اب تک مرجع خلائق اور زیارت گاہِ خاص و عام ہے[1]

واللہ! وہ مجاہد آزادی خیر آباد میں پیدا ہوا، دہلی میں جوانی گزاری، لکھنؤ میں بوڑھا ہوا، اور وطن سے دور جزائر انڈیمان میں ہمیشہ کی نیند سو گیا۔ ع

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

ازواج و اولاد | مولانا نے دو شادیاں کیں، پہلی اہلیہ بی بی وزیرن سے تین صاحبزادیاں تھیں اور ایک صاحبزادہ شمس العلماء عبدالحق خیر آبادی تھے۔ دوسری اہلیہ دہلوی تھیں ان سے دو لڑکے مولوی شمس الحق اور مولوی علاء الحق تھے[2]

تلامذہ | مولانا فضل حق سے ان گنت افراد نے فیض اٹھایا، اور مولانا مہر کے الفاظ میں "بعد کے دور کے اکثر اکابر علم انہیں کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد تھے" تاہم ان کے شاگردوں میں مندرجہ ذیل اصحاب کے نام زیادہ مشہور ہیں۔

۱۔ شمس العلماء مولانا عبدالحق خیر آبادی (خلف الرشید) م۔ ۱۳۱۶ھ (آنکہ امام وقت است) ۱۳۱۶ھ

۲۔ ہدایت اللہ خان جونپوری (استاد مولانا سلیمان اشرف مرحوم)

۳۔ فیض الحسن سہارنپوری (استاد مولانا شبلی نعمانیؒ)

۴۔ مولانا جمیل احمد — ۷۔ مولانا عبدالقادر بدایونی۔ — ۸۔ مولانا شاہ عبدالحق کانپوری

۵۔ مولانا سلطان احمد بریلوی۔ — ۹۔ مولانا ہدایت اللہ بریلوی (استاد فضل حق رامپوری)

۶۔ مولانا عبداللہ بلگرامی۔ — ۱۰۔ مولانا غلام قادر۔ — ۱۱۔ مولانا خیر الدین دہلوی (والد مولانا ابوالکلام آزاد)

---

[1] الثورۃ الہندیہ ص ۱۴۴ — [2] الثورۃ الہندیہ و ۱۸۵۷ء کے مجاہد ص ۱۳۶

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی
پی۔ ایچ۔ ڈی

تحقیق اور ریسرچ

یا

صلیبی جذبۂ انتقام کی آسودگی

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے حال میں لیڈس یونیورسٹی (انگلینڈ) سے علم لسانیات پر پی۔ ایچ۔ ڈی کیا ہے۔ وہ ڈگری لے کر سعودی عرب واپس ہوئے تو وہاں کے اخبار "الندوہ" کے نمائندہ نے ان سے ایک انٹرویو لیا ہے۔ الندوہ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوا۔ اس انٹرویو کے بعض اجزاء یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

★

اڈنبرا یونیورسٹی نے تفسیر قرآن کے کسی موضوع پر ریسرچ کے لئے ایک اسکالرشپ کا اعلان کیا۔ اتفاقاً اس اسکالرشپ کے مستحق ایک پاکستانی طالب علم قرار پائے، انہیں علم و تحقیق کے شوق نے لندن پہنچا دیا۔ پاکستانی طالب علم بے حد خوش تھا، اور اپنی قسمت پر نازاں، مگر اسے جلد ہی وہاں واپس ہونا پڑا۔ یونیورسٹی پہنچنے پر اسے بتایا گیا کہ یہ وظیفہ اسے تفسیر قرآن کے کسی موضوع پر ریسرچ کے لئے دیا جائے گا یہ بات کچھ زیادہ تعجب خیز نہ تھی۔ لیکن جب وہ اپنے سپروائزر پروفیسر سے ملا اور اس نے تفسیر پر کام کرنے کی نوعیت بتائی تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، اس کے کانوں میں پروفیسر کی یہ آواز گونجی کہ قرآن پاک خدا تعالیٰ کا کلام اور وحی نہیں ہے، بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خود اپنی تصنیف ہے، ریسرچ اسکالر کو اسے ہی بنیاد بنا کر علم و تحقیق کی روشنی میں کرنا پڑے گا۔

—— "قابل افسوس اور باعث شرم" —— پاکستانی طالب علم زبان سے صرف یہی لفظ ادا کر سکا۔ اس نے اپنا سامان اٹھایا۔ اور وطن واپس آگیا۔

یہ واقعہ جناب ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی نے بیان کیا۔ یہ لندن سے ابھی کچھ روز

قبل تشریف لائے ہیں۔ یہ واقعہ مستشرقین کی تحقیقات کے ایک خاص اور متعین پہلو پر روشنی ڈالتا ہے ـــــ

دنیا کی بیشتر یونیورسٹیوں میں عربی و اسلامی علوم پر ریسرچ اور تحقیقات کے شعبے قائم ہیں اور ان یونیورسٹیوں کو اس سے بڑی دلچسپی اور شغف ہے ـــــ مستشرقین نے سب سے زیادہ قرآن پاک اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کتابیں اور تحقیقی رسالے شائع کئے ہیں لیکن یہ تحقیق بحث اور محنت و جانفشانی۔ علم تحقیق کے لئے نہیں تھی بلکہ اپنے صلیبی جذبۂ انتقام کی آسودگی مقصود تھی ـــــ ہاں! چند مستشرقین ایسے ضرور مل جائیں گے۔ جنہوں نے انصاف سے کام لے کر اسلام کو آسمانی مذہب۔ قرآن پاک کو اس مذہب کا دستور اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر تسلیم کیا ہے، اور اپنی تحقیق و بحث میں دوسرے مستشرقین کی طرح کچھ زیادہ شک و شبہ اور تشنیع و تعریض نہیں کی ہے ـــــ

ڈاکٹر صاحب سے میرا اگلا سوال یہ تھا کہ مستشرقین یورپ اور انہوں نے اسلام سے متعلق جو چیزیں لکھی ہیں۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔؟ ـــــ مجھے یقین ہے کہ اب یہ کوئی راز نہیں رہا جسے کوئی شخص سنسنی خیز سمجھ کر ظاہر کرے گا۔ بلکہ ہر پڑھا لکھا آدمی جانتا ہے۔ کہ مستشرقین کی تحقیق اور ریسرچ کا مقصد اسلام کو غلط اور بگڑی ہوئی شکل میں پیش کرنا ہے۔ لیکن وہ بڑی مہارت، سلیقہ اور دل کش و پُر فریب طرزِ نگارش سے سیدھے سادے لوگوں کو یقین دلا دیتے ہیں کہ ان کا استدلال منطقی اور عالمانہ تحقیق سے بھرپور ہے اور ان کی بحث و جستجو تعصب اور جانبداری سے یکسر خالی ہے، میں ان کے تصنیف کردہ قرآن کے تراجم کے مقدمے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اسلامی شریعت کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت ان کے تضاد، غلط کاریوں اور سحر انگیزیوں سے ذاتی تجربہ رکھتا ہوں میں نے ان مسلمان نوجوانوں کو ان تصنیفات کی سحر انگیزی کا شکار ہوتے دیکھا ہے۔ جنہوں نے اپنے ملک میں اپنی ذاتی زبانوں میں اسلام کو نہیں پڑھا بلکہ انہوں نے مستشرقین کی کتابوں کے ذریعہ اسلام اور اس کی شریعت و احکام کو سمجھا ہے ان نوجوانوں کا خیال ہے کہ یورپی علماء اپنی تحقیق و بحث میں غیر جانبدار، بے لوث، غیر متعصب اور حق پرست ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ان کتابوں نے ان کے دلوں میں مختلف قسم کے شک و شبہے اور اسلام سے بے اعتمادی پیدا کر دی ہے ـــــ

لیکن یورپین طلباء اسلام کو انہیں کتابوں کے واسطہ سے سمجھتے ہیں، اس کی بناء پر وہ اسلام

سے نفرت اور بغض و عناد رکھنے لگتے ہیں۔ لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں اس طرز کی کتابیں نہیں ہیں کہ جس سے مستشرقین کے ان خیالات اور فریب کاریوں کا اسی علمی اور ٹھوس استدلال طرز اور شگفتہ و علمی زبان میں ان کا جواب دیا گیا ہو۔ کاش! ہمارے یہاں مشرق میں کوئی اکاڈمی یا تحقیقی ادارہ یا تصنیف کا تنقیدی جائزہ لیا جاتا اور ان کے اصل مآخذ و مصادر کی تحقیق کرتا۔ ان کی سند اور ذرائع معلومات کی تنقید و تمحیص کا کام کرتا اور ان کے جوابات عالمی پیمانہ پر شائع کئے جاسکتے تو اسلام اور تمدن و تہذیب کی ایک عظیم اور گراں قدر خدمت ہوتی لیکن جو لوگ اس طرح کے علمی ادارے قائم کرنے کے وسائل و ذرائع رکھتے ہیں انہیں کوئی فکر نہیں ہے اور جن لوگوں کو اس کی فکر ہے وہ مسائل سے محروم ہیں، یہ ایک تلخ حقیقت ہے۔

ہماری گفتگو علوم اسلامیہ اور اسکی تحقیق و ریسرچ سے متعلق ہو رہی تھی، اس مناسبت سے میں نے ڈاکٹر ندوی صاحب سے پوچھا کہ : "کیا انگلینڈ کی ہر یونیورسٹی میں اسلامک اسٹڈیز کا شعبہ ہے یا چند یونیورسٹیوں ہی میں اس کا انتظام ہے، اور آیا طلباء اسلامی و مشرقی علوم سے کس حد تک دلچسپی رکھتے ہیں۔؟

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ جہاں تک مجھے علم ہے، انگلینڈ میں چھوٹی بڑی چالیس یونیورسٹیاں ہیں اور بہت سی یونیورسٹیوں میں مشرقی علوم کا شعبہ قائم ہے اور لندن یونیورسٹی کے مشرقی و افریقی زبانوں کا اسکول اپنی نوعیت کا سب سے بڑا اسکول ہے اس میں اسلامی ریسرچ کا شعبہ ہے اس کو مرکز تحقیقات مشرق وسطیٰ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہاں مشرق کے تمام علوم میں ریسرچ و تحقیق کے مواقع ہیں اور اڈنبرا یونیورسٹی اسکاٹ لینڈ کے ادارہ علوم اسلامیہ میں علم تفسیر پر خاص طور سے تحقیق کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ آکسفورڈ اور کیمبرج میں اسلامک اسٹڈیز میں ریسرچ کا مکمل انتظام ہے۔ البتہ لیڈس یونیورسٹی میں خالص دینی مضامین پر تحقیق ممکن نہیں ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ریاض یونیورسٹی کے تین اساتذہ نے اسی شعبہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے، جس شعبہ میں میں خود تھا۔ یہ میرے دوست اور ساتھی ڈاکٹر عبدالرحمٰن انصاری۔ ڈاکٹر احمد حبیب اور ڈاکٹر محمد شعفی ہیں۔ انہوں نے علم زبان اور تاریخ کے موضوع پر ریسرچ کی ہے۔ گلاسکو یونیورسٹی میں سامی زبانوں پر تحقیق کا شعبہ ہے۔ یہ شعبہ زبان اور تاریخ کے لئے مخصوص ہے اور برمنگھم یونیورسٹی مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا شعبہ ہے، اس کے علاوہ سینٹ انڈریو، مانچسٹر اور لیورپول میں مشرقی علوم کے لئے چھوٹے پیمانے پر شعبے قائم ہیں البتہ ان میں طلبہ کی تعداد بہت کم ہے۔ لائق ذکر بات یہ ہے کہ لیڈس گلاسگو اور سینٹ انڈریو یونیورسٹیوں میں مشرقی اور عربی علوم کے شعبے، "اسکول سامی تحقیقاتی ادارہ" کے نام سے معروف ہیں۔ مگر اڈنبرا یونیورسٹی میں اس شعبہ کو "ادارہ علوم اسلامیہ" کہتے ہیں۔

افکار و تاثرات

- مولانا مفتی محمود صاحب قائد جمعیۃ العلماء
- مولانا زاہد الحسینی صاحب
- مولانا معراج الحق صاحب

جمعیۃ العلماء کی پالیسی | ناظم عمومی جمعیۃ علماء اسلام پاکستان حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے جمعیۃ کی پالیسی اور عزائم پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک پریس نوٹ میں فرمایا "جمعیۃ علماء اسلام" پاکستان میں خالص اسلامی نظام نافذ کرنے کی تحریک چلا رہی ہے۔ اسلام کا نظام ہی معاشی مشکلات، معاشرتی مفاسد کا واحد اور جامع علاج ہے، موجودہ حکومت اسلامی نظام نافذ کرنے میں قطعاً ناکام رہی ہے۔ دینی اقدار پامال کر دیئے گئے ہیں۔ دین کے قطعی مسائل میں تحریف کے راستے کھول دیئے گئے ہیں۔ ختم نبوت کے بنیادی عقیدہ کو مجروح کر دیا گیا۔ بنیادی حقوق معطل ہیں۔ ہنگامی حالات بدستور قائم ہیں۔ بی ڈی کے غیر جمہوری انتخاب سے عوامی حق سلب کر لیا گیا ہے۔ تقریر و تحریر، نقل و حرکت اور اجتماعات پر پابندی عائد ہے۔ تقریباً تمام اضلاع میں دفعہ ۱۴۴ کے مسلسل نفاذ نے رہی سہی کمی پوری کر دی ہے۔ معاشی بدحالی، ہوشربا گرانی نے غریب عوام کی کمر توڑ دی ہے۔ ان حالات کے تحت موجودہ حکومت کو آئینی طریقوں سے تبدیل کرنا اہم قومی اور ملی فریضہ بن جاتا ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام مشرقی اور مغربی پاکستان کے تمام اضلاع میں ——— یوم احتجاج منا رہی ہے۔ جمعیۃ علماء اسلام تمام مخالف جماعتوں سے اس سلسلہ میں تعاون کرے گی۔ بشرطیکہ جمعیۃ علماء اسلام کے بنیادی مقصد (اسلامی نظام کے قیام) میں یہ تعاون مفید ہو۔ بہرحال جمعیۃ علماء اسلام، اسلامی اقدار کے احیاء کو اولین حیثیت دیتی ہے۔ اور کسی طرح بھی اس عظیم مقصد سے پہلوتہی نہیں کر سکتی۔ جمعیۃ علماء اسلام آنے والے انتخابات کے پیش نظر ضروری سمجھتی ہے کہ تمام سیاسی قیدیوں کو فی الفور رہا کر دیا جائے، اور ایسی فضا قائم کر دی جائے جس میں تمام سیاسی جماعتیں اپنا منشور اور اپنا پروگرام قوم کے سامنے آزادی سے پیش کر سکیں، اگر موجودہ فضا میں انتخابات کر دیئے گئے تو یہ انتخابات ایک ڈھونگ ہوں گے۔ اور پوری قوم کے

مفاد کے ساتھ غداری کے مترادف ہوگا۔ طلباء کے مطالبات کو من وعن تسلیم کرنا حکومت کا فرض ہے صرف چند خوشنما وعدوں سے طلباء کو مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔ جمعیۃ علماء اسلام شہید طلباء کو خراج عقیدت پیش کرتی ہے۔ اور حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ آزاد تحقیقات کرکے مجرموں کو قرار واقعی سزا دے

جمعیۃ علماء اسلام وکلاء اور مزدور رہنماؤں کی گرفتاریوں کی شدید مذمت کرتی ہے، اور انہیں اس جدوجہد پر مبارکباد پیش کرتی ہے، جو انہوں نے بحالی حقوق کے سلسلہ میں کی ہے۔ شورش کاشمیری کے کیس میں ایڈوکیٹ جنرل نے عدالت عالیہ کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اسے توہین عدالت سمجھتے ہوئے جمعیۃ علماء اسلام اس کی شدید مذمت کرتی ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے، ایڈوکیٹ جنرل کو اس عہدے سے فوراً معزول کر دیا جائے اور شورش کاشمیری کو فوری طور پر رہا کر دیا جائے۔

پرویز کا اسلام

الحق کا تازہ پرچہ (بابت ماہ رمضان مبارک) میں پرویز کے متعلق آپ کا اشتہار پڑھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے کہ آپ دفاع عن الدین کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ دین کے خلاف جو بھی مساعی کی جائیں ان کا ازالہ اور دفاع بھی فرائض دین میں سے ہے۔ قرآن کریم نے ما کان ابراہیم یہودیا ولا نصرانیا۔ فرما کر یہود و نصاریٰ کے اس دجل کا جواب دیا جو وہ کہا کرتے تھے کہ وہ اولاد ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یا علی وغیرہ۔ مگر اس کیلئے باقاعدہ قلمی جہاد کی ضرورت ہے۔ پرویز تو سرے سے اس اسلام کا انہدام چاہتا ہے جس پر آج عالم اسلامی عمل پیرا ہے۔

نوائے وقت ۱۸ر جنوری ۱۹۶۶ء میں اس کا طویل انٹرویو شائع ہوا تھا جس کی آخری سطور آپ کے ملاحظہ کے لئے ارسال ہیں۔

"جس اسلام کو ان (شاہ ولی اللہؒ وغیرہ) کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور جو اس وقت ہمارے ہاں رائج ہے۔ وہ وہی اسلام تو ہے جس کا رونا میں اور آپ (حنیف رامے) بیٹھے رو رہے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ اس اسلام کا بہت گہرا اثر ہماری ہیئت اجتماعی پر ہو رہا ہے۔ اور اسی اثر کو زائل کرنے کے لئے اس قدر کاوش، کاوش کرنی پڑ رہی ہے لیکن وہ پھر بھی زائل نہیں ہو رہا۔"

کیا سطور بالا اس امر کے لئے کافی نہیں کہ پرویز موجودہ متوارث اسلام کو مٹانے کے درپے ہے۔

قاضی محمد زاہد الحسینی کیمبل پور

تعزیت

ترجو البقاء بدار لا بقاء لہا　　　فہل سمعت بظل بلا قرار

وما کل ما یتمنی المرء یدرکہ　　　فحتف کل امرء یجری بمقدار

ویوم نودع زین العابدین عنا　　　قلت فی حقہ قریب اصفرار

تمتع من شمیم عرار نجد　　　فما بعد العشیۃ من عرار

مولانا زین العابدین مرحوم ۱۳۴۴ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بچپن سے انکے دل و دماغ میں علم کی محبت رکھی تھی۔ شرح جامی تک کتابیں مختلف درسوں میں پڑھیں۔ ۱۳۶۰ھ میں مدرسہ امینیہ دہلی میں داخل ہوئے۔ تین سال میں مختلف کتابیں پڑھ کر جلالین مشکوٰۃ ہدایہ اولین۔ پڑھنے کیلئے غورغشتی تشریف لائے۔ ۱۳۶۵ھ میں دیوبند میں ہدایہ اخرین وغیرہ پڑھ کر پھر دورۂ حدیث پڑھا۔ عمومی سند کے علاوہ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی سند بھی حاصل کی۔ اس کے بعد دورۂ تفسیر لیا۔ لیکن تقسیم ہند کی وجہ سے وہ ناتمام چھوڑ کر وطن تشریف لائے کچھ عرصہ کیلئے دوبارہ غورغشتی گئے اور مولانا مدظلہ سے مدرسہ کے اسباق سنے۔

۱۳۶۷ھ میں پشاور تشریف لائے اولاً ایک مسجد میں تدریس شروع کی پھر دارالعلوم سرحد۔ دارالعلوم اشرفیہ۔ دارالعلوم نعمانیہ پشاور میں علی الترتیب جانفشانی سے کام کیا۔ مرحوم کے تبحر علمی کے وہ سب لوگ قائل ہیں، جن کا ان سے واسطہ پڑھا ہو۔ خواہ اساتذہ ہوں یا تلامذہ یا وعظ سننے والے۔

حضرت مرحوم تقریباً تین سال سے اصلاح باطن کیطرف زیادہ متوجہ تھے۔ گذشتہ سال ان پر سخت بیماری کا حملہ ہوا۔ اس سے افاقہ تو ہو گیا تھا۔ مگر کچھ اثر باقی تھا۔ چنانچہ سال رواں کے شعبان سے بیماری زیادہ ہو گئی۔ اور باوجود علاج کے صحت یاب نہ ہو سکے اور بروز بدھ ۲۰ رمضان ۱۳۸۸ھ میں علم کا یہ آفتاب ہمیشہ کیلئے غروب ہوا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(مولانا) معراج الحق جامعہ اشرفیہ
پشاور

★

جمعیۃ العلماء اسلام مشرقی پاکستان کے زیر اہتمام

آل پاکستان جمعیۃ العلماء کانفرنس

۱۴ اور ۱۵ شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۴ ۔ ۵ جنوری ۱۹۶۹ء بروز سنیچر و اتوار کو بمقام ڈھاکہ جمعیۃ علماء اسلام مشرقی پاکستان کی دو روزہ سالانہ کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ جس میں مشرقی و مغربی پاکستان کے قریب قریب تمام اکابر علماء کی تشریف آوری کی توقع کی جاتی ہے۔ نیز ملک کے دونوں بازو کے ہزاروں سے زائد علماء کرام کو تشریف لانے کی دعوت دی جا رہی ہے۔

صوبائی جمعیۃ کے جدید انتخاب کے علاوہ کانفرنس میں حضرات علماء کرام ملک کے موجودہ دینی، ملی، سماجی اور سیاسی مسائل پر تبادلۂ خیالات فرماتے ہوئے لائحہ عمل و طریق کار متعین فرمائیں گے۔

ان المناک حالات میں وارثین رسول، حاملین امانت علماء کرام پر فرض ہے کہ اپنے دینی فرائض سے سبکدوشی حاصل کرنے اور یوم الجزاء والحساب کو ماجور ہونے کی واحد صورت یہ کہ علماء حقانی باہمی اتحاد اتفاق و تنظیم کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے میدان میں نکل پڑیں۔

پروگرام :- ۴ جنوری صبح ۸ بجے ہوٹل ایڈن ۔ موتی جھیل نزد کملاپور ریل اسٹیشن علماء کا اجتماع اور شام کو مجلس عمومی کا اجلاس منعقد ہو گا۔ ۵ جنوری کو پلٹن میدان میں جلسہ عام ہو گا۔

شیخ عبد الکریم	پیر محسن الدین	مولانا محی الدین خان
امیر مشرقی پاکستان جمعیۃ علماء اسلام	ایم این اے	ناظم استقبالیہ